OCTOBER 2026 Rs. 30/-

جمادی الاولیٰ ۱۴۴۸ھ اکتوبر ۲۰۲۶ء

مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف

MAHNAMA SUNNI DUNIYA, BAREILLY SHAREEF

حجۃ الاسلام! صبر و استقامت کا پیکر

میزان اعمال کی حقیقت اور دو عظیم کلمات

عدل فاروقی کے سائے میں پروان چڑھتی انسانیت

عقیدۂ ختم نبوت ﷺ اور اعلیٰ حضرت

اعلیٰ حضرت اور فقہی تعریفات

علمائے اہل سنت رام پور کی علمی و دینی خدمات

حضور حجۃ الاسلام کا علمی مقام

حضور شیر بہار کا تصلب و استقامت

مدارس میں ماہر و باصلاحیت مدرس کی کمی

مدارس میں باصلاحیت اور فنکار اساتذہ نایاب

فارغین مدارس اور یونیورسٹیاں

ناموس رسالت اور حکومت وقت سے چند سوالات

کیا مندر اور مزارات پر ایک جیسے کام ہوتے ہیں؟

مدیر:
مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی

مرکز الدراسات الإسلامية جامعة الرضا بريلي شريف يوبي، هند

CENTER OF ISLAMIC STUDIES JAMIATUR RAZA

MARKAZ NAGAR MATHURAPUR, C.B.GANJ, BAREILLY SHARIF (U.P.)

Imam Ahmad Raza Trust

82-Saudagran, Raza Nagar, Bareilly U.P.-243003 (India)

امام احمد رضا ٹرسٹ

۸۲/سوداگران، رضانگر، بریلی شریف یوپی (الہند)

E-mail: imamahmadrazatrust@aalaahazrat.com
imamahmadrazatrust@yahoo.co.in
Website: www.aalaahazrat.com, jamiaturraza.com, hazrat.org

Contact No. +91 0581 3291453
+91 9897007120
+91 9897267869

State Bank of India, Bareilly.
A/C No. 030078123009
IFSC Code : SBIN0000597

HDFC Bank, Bareilly
A/c No. 50200004721350
IFSC Code : HDFC0000304

بیادگار
امام المتکلمین حضرت علامہ مفتی محمد نقی علی خاں قادری بریلوی، اعلیحضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی،
مفتیٔ اعظم حضرت علامہ مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری بریلوی، مفسر اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

بانی و سرپرست روحانی
وارثِ علوم اعلیٰ حضرت عکس حجۃ الاسلام ثانی
مفتیٔ اعظم نور دیدۂ مفسر اعظم تاج الشریعہ
بدر الطریقہ حضرۃ العلام الحاج الشاہ المفتی
محمد اختر رضا
خاں قادری ازہری بریلوی
رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست و مدیر اعلیٰ
نبیرۂ اعلیٰ حضرت شہزادہ و جانشین تاج الشریعہ
قاضی القضاۃ فی الہند پیر طریقت رہبر شریعت
قائد ملت حضرۃ العلام الحاج الشاہ المفتی
محمد عسجد رضا
خاں قادری نوری بریلوی
مدظلہ العالی

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

ماہنامہ سنّی دنیا

بریلی شریف

MAHNAMA SUNNI DUNIYA

مدیر: مفتی محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

جمادی الاولیٰ ۱۴۴۸ھ
اکتوبر ۲۰۲۶ء

شمارہ نمبر ۱۰
Issue No. 10

جلد نمبر ۱۱
Vol. 11

قیمت فی شمارہ ۳۰ روپئے	سالانہ ۳۵۰ روپئے سادہ ڈاک سے	سالانہ ۶۰۰ روپئے رجسٹرڈ ڈاک سے	پاکستان، سری لنکا اور بنگلہ دیش سے ۱۲۰۰ روپئے	امریکہ اور دیگر ممالک سے ۱۳۵ امریکی ڈالر

انتباہ

کسی بھی طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف بریلی شریف کے کورٹ میں قابل سماعت ہوگی، مضمون نگار اور اہل قلم کی آرا سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں۔

ہدایت

قارئین کرام رسالہ سے متعلق کسی بھی طرح کی شکایت یا معلومات کے لئے صبح ۹ بجے سے دوپہر ۲ بجے تک موبائل نمبر 8755096981 پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

التماس

اہل قلم حضرات اور شعرائے اسلام سے التماس ہے کہ اپنے کمپوز شدہ مضامین و منظومات کی ان پیج یا ڈوک فائل رسالہ کی ای میل آئی ڈی پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

عتیق احمد حشمتی (شجاع ملک) آئی ٹی ہیڈ: جامعۃ الرضا
تزئین کار
محمد تمہید خان عرشی فائزہ پرنٹرس، حامدی مارکیٹ

رابطہ کا پتہ
ماہنامہ سنّی دنیا
۸۲/ سوداگران، درگاہ اعلیٰ حضرت
بریلی شریف پن نمبر ۲۴۳۰۰۳

Email:
sunniduniya@aalaahazrat.com
nashtarfaruqui@gmail.com
atiqahmad@aalaahazrat.com
Visit Us:
www.sunniduniya.com
www.aalaahazrat.com
www.cisjamiaturraza.ac.in

Contact Address
MAHNAMA SUNNI DUNIYA
82-Saudagran, Dargah Aalahazrat
Bareilly Sharif (U.P.) Pin - 243003
Contact Numbers
0581-2458543, 2472166, 3291453

ایڈیٹر، پبلیشر، پرنٹر اور پروپرائٹر مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری نے فائزہ پرنٹرس بریلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ سنی دنیا ۸۲/ سوداگران درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی سے شائع کیا۔
Editor, Printer, Publisher & Owner Asjad Raza Khan, Printed at Faiza Printers, Opp. Lala Kashinath Jewelers, Hamidi Complex, Gali Wazeer Ali, Bara Bazar, Bareilly, Published at 82, Saudagran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Shareef (U.P.)

اس شمارے میں

صفحہ	مضمون نگار	مضمون	کالم
۵	محمد عبد الرحیم نشترؔ فاروقی	حجۃ الاسلام! صبر واستقامت کا پیکر	اداریہ
۱۰	مولانا مبارک حسین مرکزی ازہری	میزان اعمال کی حقیقت اور دو عظیم کلمات	اسلامیات
۱۴	مفتی محمد رضا مرکزی	عدل فاروقی کے سائے میں پروان چڑھتی انسانیت	///
۱۶	غلام مصطفیٰ رضوی	عقیدۂ ختم نبوت ﷺ اور اعلیٰ حضرت	اسلاف واخلاف
۱۸	مفتی محمد فیضان رضا مرکزی	اعلیٰ حضرت اور فقہی تعریفات	///
۲۴	مفتی سید محمد فیضان رضا حسنی	علمائے اہل سنت رام پور کی علمی ودینی خدمات	///
۲۸	مولانا محمد انس رضا حامؔی	حضور حجۃ الاسلام کا علمی مقام	///
۳۵	مولانا فیضان رضا علیمی	حضور شیر بہار کا تصلب واستقامت	///
۳۶	مولانا انیس الرحمٰن حنفی رضوی	مدارس میں ماہر وباصلاحیت مدرس کی کمی	احوال قوم وملت
۳۸	مفتی محمد صابر القادری فیضی	مدارس میں باصلاحیت اور فنکار اساتذہ نایاب	///
۳۹	طارق محمود رضوی	فارغین مدارس اور یونیورسٹیاں	///
۴۱	حافظ افتخار احمد قادری	ناموس رسالت اور حکومت وقت سے چند سوالات	احوال وطن
۴۳	مولانا محمد عامر فضیل مرکزی	کیا مندر اور مزارات پر ایک جیسے کام ہوتے ہیں؟	نقد ونظر
۴۶	علامہ مفتی محمد صالح بریلوی قادری	فکر آخرت	ترغیبات
۴۸	انصار احمد جامی نوری	ایس آئی آر کی کارروائی اور علما کی ذمہ داری	مختصرات
۴۸	مولانا محمد زاہد علی مرکزی	صحابۂ کرام کی شان میں بدزبانیوں پر خاموشی کیوں؟	///
۴۹	سید خادم رسول عینؔی	دو عالم میں بٹتا ہے فیض ان کے در کا	منظومات
۴۹	قاری نعیم الدین قادری	جو گدا ہے شاہ کے دربار کا	///
۴۹	مولانا اشرف رضا قادری	ہونے ہی نہیں دیتے غمگین شہ سمناں	///
۴۹	حسرت وحیدی	میں ہوں سنی اور مری پہچان ہیں احمد رضا	///
۴۷	احمد رضا حمران مرکزی	ہر سو خوشی کی لہر ہو، کو بہ کو فلیفر حوا	///
۵۰	مولانا محمد فرقان رضا فیضی	ناموس رسالت کے علمدار رضا ہیں	///
۵۰	مولانا پھول محمد نعمت رضوی	کس قدر اونچا ہے رتبہ حجۃ الاسلام کا	///
۵۱	مولانا محمد زاہد علی مرکزی	لکھنؤ کا علمی وادبی سفر اور جامعہ امام اعظم	خیر وخبر

مشمولات

حجۃ الاسلام!

صبر و استقامت کا پیکر

مفتی محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

اسلامی تعلیمات میں صبر و رضا کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ صبر انسان کو مصائب و آلام کے مقابلے میں ثابت قدم رکھتا ہے، جبکہ رضا اسے تقدیرِ الٰہی کے فیصلوں کے سامنے دل کا اطمینان عطا کرتی ہے۔ صبر کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ آزمائش کے وقت شریعت کی حدود سے تجاوز نہ کرے، زبان کو شکوۂ ناشکری سے محفوظ رکھے اور اللہ رب العزت کی ذات پر اعتماد قائم رکھے؛ جبکہ رضا کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے فیصلے کو دل کی بخوشی قبول کرے۔

اولیائے کرام اور علمائے ربانیین کی زندگیاں صبر و رضا کی عملی تفسیر ہوتی ہیں۔ ان مقدس ہستیوں نے صرف کتابوں میں صبر کے فضائل بیان نہیں کیے بلکہ اپنی عملی زندگی کے ہر مرحلے میں اس کے جلوے بھی بکھیرے۔ برصغیر کی علمی و روحانی تاریخ میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت، جانشین اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد حامد رضا خان قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ العزیز کی ذات اسی سلسلۂ صبر و رضا کی ایک روشن کڑی ہے۔

حجۃ الاسلام کی ولادتِ باسعادت ربیع الاوّل ۱۲۹۲ھ، مطابق ۱۸۷۵ء، بریلی شریف میں ہوئی۔ آپ نے اپنے والد ماجد، امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی آغوشِ تربیت میں پرورش پائی اور کم عمری ہی میں علوم دینیہ، عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کی۔ بعد ازاں حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ العزیز سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل کیا اور والد ماجد سے بھی اجازت وخلافت پائی۔

آپ کی پوری زندگی علم، عمل، تقویٰ، خدمت دین، عشقِ رسول ﷺ اور استقامت سے عبارت تھی۔ آپ کے صبر و رضا کا سب سے نمایاں پہلو یہ تھا کہ جسمانی تکلیف ہو یا زمانے کی مخالفت، ذاتی آزمائش ہو یا دینی جدوجہد کی مشکلات، آپ نے صبر و استقامت کا دامن کبھی ہاتھوں سے نہ چھوڑا۔ اسلامی اصطلاح میں صبر کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہے، گناہ سے بچے اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ (۱۵۵) الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ-قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔ (۱۵۶) اور خوشخبری دیجئے ان صبر والوں کو، کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔" (سورۂ بقرہ)

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (۱۰) یعنی صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔" (سورۂ زمر)

رضا صبر سے بھی بلند تر کیفیت ہے۔ صبر میں انسان تکلیف کو برداشت کرتا ہے، جبکہ رضا میں بندہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر دل سے مطمئن ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے رضا کو بندگی کے اعلیٰ مقامات میں شمار کیا ہے۔

آغوش اعلیٰ حضرت میں پرورش اور صبر کا ورثہ

حجۃ الاسلام کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے ان کے والد گرامی اعلیٰ حضرت کی تربیت کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت خود زندگی کے مختلف مراحل میں بیماری، مالی تنگی، علمی مخالفت، فکری محاذ آرائی اور شدید اعتراضات سے دو چار رہے، مگر ان حالات نے ان کے عزم کو کبھی متزلزل نہیں کیا۔ حجۃ الاسلام اسی گھرانے میں پروان چڑھے، جہاں علم محض درس گاہ کا موضوع نہیں تھا بلکہ زندگی کا مقصد تھا،

جہاں عشقِ رسول ﷺ محض جذباتی کیفیت نہیں بلکہ ایمان و عمل کی بنیاد تھا اور جہاں دین کی خدمت کے راستے میں آنے والی مشکلات کو آزمائش نہیں بلکہ سعادت سمجھا جاتا تھا۔ اسی تربیت کا اثر تھا کہ حجۃ الاسلام نے اپنے والد ماجد کے علمی مشن کو آگے بڑھایا اور مشکل حالات میں بھی حق کی حمایت سے پیچھے نہ ہٹے۔ اربابِ علم و دانش نے آپ کو علم و فضل، درس و تدریس، تفسیر و حدیث اور عربی ادب میں نمایاں مقام رکھنے والی یگانۂ روزگار شخصیت قرار دیا ہے۔

جسمانی تکلیف اور صبر و استقامت

حضور حجۃ الاسلام کے صبر و رضا کا سب سے مؤثر اور ناقابلِ فراموش واقعہ آپ کے جسم پر ہونے والے ایک پھوڑے کے آپریشن کا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ کے جسمِ اقدس پر ایک پھوڑا ہو گیا تھا جس کا آپریشن ضروری تھا۔ ڈاکٹر نے آپ کو بے ہوشی کا انجکشن لگانے کا ارادہ کیا، لیکن آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔ آپ عالمِ ہوش میں آپریشن کے لیے تیار ہو گئے اور اس دوران درود و سلام کے ورد میں مشغول رہے۔

روایت کے مطابق آپریشن دو سے تین گھنٹے تک جاری رہا، مگر آپ نے ذرا بھی تکلیف اور درد کا اظہار نہیں فرمایا۔ یہ واقعہ محض جسمانی قوت کا مظاہرہ نہیں بلکہ روحانی استقامت کی ایک غیر معمولی مثال ہے۔ ایک عام انسان کے لیے چند منٹ کی جسمانی تکلیف بھی ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے، لیکن ایک اللہ والے کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کا دل اپنے محبوبِ حقیقی کی یاد میں ایسا مشغول ہو جاتا ہے کہ جسمانی اذیت اس کے شعور پر غالب ہی نہیں آتی۔ حجۃ الاسلام کے لیے اس موقع پر سب سے بڑا سہارا درود و سلام تھا۔ یہ بھی ان کی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے کہ علمی و تدریسی مصروفیات سے فرصت ملتے ہی ذکرِ الٰہی اور درود شریف میں مشغول ہو جاتے تھے۔ یہاں صبر کی ایک بڑی حقیقت سامنے آتی ہے: جس دل میں محبت رسول ﷺ راسخ ہو جائے، وہ تکلیف کے وقت بھی ذکر و درود سے وابستہ رہتا ہے۔

درد کے وقت شکوہ نہیں، ذکر و درود

صبر و رضا کا اصل امتحان آرام کے وقت نہیں بلکہ تکلیف کے وقت ہوتا ہے۔ انسان خوشی میں شکر تو کر سکتا ہے، لیکن بیماری و آزاری، درد و تکلیف، محرومی و بے کسی اور مصیبت و مخالفت کے وقت زبان اور دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا ہی حقیقی صبر ہے۔ حجۃ الاسلام کا آپریشن اسی حقیقت کی عملی تصویر پیش کرتا ہے۔ دو تین گھنٹے تک جسمانی تکلیف برداشت کرنا ایک الگ بات ہے، مگر اس پوری مدت میں درود و سلام میں مشغول رہنا روحانی قوت کی علامت ہے۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے دل کو پہلے ہی ذکر و محبت رسول ﷺ کا عادی بنا رکھا تھا۔ مشکل وقت میں انسان وہی کرتا ہے جس کی اسے معمول کی زندگی میں عادت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ سلوک کہتے ہیں کہ آزمائش کے وقت انسان کے باطن کا اصل حال ظاہر ہوتا ہے۔ حجۃ الاسلام کا باطن ذکرِ الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ سے معمور تھا، اس لیے آزمائش کی گھڑی میں بھی زبان پر درود و سلام جاری رہا۔

صبر صرف بیماری میں نہیں، پوری زندگی کا وصف تھا

حجۃ الاسلام کے صبر کو صرف آپریشن کے واقعے تک محدود کر دینا آپ کی شخصیت کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا۔ آپ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صبر و استقامت آپ کے کردار کا مستقل وصف تھا۔ آپ ایک ایسے دور میں دینی خدمات انجام دے رہے تھے جب ہندوستان میں مختلف فکری، مذہبی اور سیاسی تحریکیں سرگرم تھیں۔ اہلِ سنت کے عقائد و نظریات کی حفاظت، مسلک کی ترجمانی، ناموسِ رسالت ﷺ کا دفاع اور مسلمانوں کی دینی رہنمائی کے لیے آپ نے مختلف مقامات کے سفر کیے اور علمی و دعوتی جدوجہد فرمائی۔ دینی میدان میں کام کرنے والا شخص صرف جسمانی مصائب ہی نہیں جھیلتا بلکہ اسے مخالفت، اعتراض، غلط فہمی، طعن و تشنیع اور بعض اوقات اپنے ہی لوگوں کی بے اعتنائی کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حجۃ الاسلام نے ان تمام حالات میں اپنی ذمہ داری کو مقدم رکھا اور اپنے متعلقین

کو بھی اس کی دعوت دی۔

راہ حق میں استقامت

صبر کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ انسان مشکلات کے باوجود حق سے دست بردار نہ ہو۔ حجۃ الاسلام کی زندگی علمی و دینی استقامت کی روشن مثال تھی۔ آپ نے مسلک اہلِ سنت کی ترویج و اشاعت، ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تحفظ اور دینی تعلیم کے فروغ کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں۔ جس کے لئے آپ نے مختلف علاقوں کے سفر کیے، علمی مناظروں میں حصہ لیا اور باطل افکار کے مقابلے میں اہلِ حق کی نمائندگی فرمائی۔ یہ کام آسان نہ تھا، اس زمانے میں سفر کی سہولتیں آج کی طرح نہ تھیں۔ مختلف علاقوں میں جانا، عوام سے خطاب کرنا، علما سے علمی گفتگو کرنا اور مخالف نظریات کا جواب دینا جسمانی و ذہنی دونوں اعتبار سے مشقت طلب تھا۔ لیکن جس شخص کے سامنے مقصدِ حیات واضح ہو، وہ مشقت کو منزل کی قیمت سمجھتا ہے۔ حجۃ الاسلام نے بھی یہی روش اختیار فرمائی۔

صبر جسمانی اور صبر روحانی

حجۃ الاسلام کی زندگی میں صبر کی دو نمایاں صورتیں دکھائی دیتی ہیں:

(۱) صبر جسمانی: بیماری، درد اور جسمانی تکلیف کے موقع پر استقامت۔ آپ کے آپریشن کا واقعہ اس کی نمایاں مثال ہے۔

(۲) صبر روحانی: دین کی خدمت میں مسلسل جدوجہد، مخالفتوں کے باوجود حق پر قائم رہنا، علمی ذمہ داریوں کو نبھانا اور مقصدِ حیات سے انحراف نہ کرنا۔ دوسری قسم کا صبر بسا اوقات پہلی قسم سے زیادہ مشکل ہوتا ہے؛ کیونکہ جسمانی درد کچھ وقت کے بعد ختم ہو جاتا ہے، مگر مسلسل دینی جدوجہد کے لیے برسوں کی استقامت درکار ہوتی ہے۔ حجۃ الاسلام نے دونوں میدانوں میں اپنی استقامت کا ثبوت دیا۔

تدریس میں صبر اور طلبہ کی تربیت

حجۃ الاسلام ایک بلند پایہ مدرس بھی تھے۔ ان کی تدریسی قابلیت کا اندازہ اس واقعے سے کیا جاسکتا ہے کہ دار العلوم منظرِ اسلام کے بعض مدرسین کے چلے جانے کے بعد آپ نے متعدد اہم علوم وفنون کی کتابیں خود پڑھانا شروع کر دیں اور تدریسی نظام کو متاثر نہیں ہونے دیا۔ اس کے نتیجے میں مدرسے کی علمی سرگرمیاں جاری رہیں اور طلبہ کا اعتماد برقرار رہا، یہ بھی صبر کی ایک شکل ہے۔ ایک ادارے کو سنبھالنا، اساتذہ کی کمی پوری کرنا، مختلف کتابیں پڑھانا، طلبہ کی تربیت کرنا اور علمی معیار کو برقرار رکھنا آسان کام نہیں۔ مگر حجۃ الاسلام نے ذمہ داری سے فرار اختیار کرنے کے بجائے خود میدان میں اترنے کو ترجیح دی۔

صبر اور توکل کا باہمی تعلق

صبر تنہا نہیں ہوتا؛ اس کے پیچھے توکل ہوتا ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد ہو، وہ حالات سے گھبرا کر راستہ نہیں بدلتا، اسے یقین ہوتا ہے کہ ظاہری اسباب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ حجۃ الاسلام کی زندگی میں علم، تقویٰ، توکل اور استغنا کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ آپ کے اندر زہد و تقویٰ، توکل و استغنا اور حسنِ اخلاق جیسی صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ یہی توکل انسان کو صبر عطا کرتا ہے۔

رضا بالقضا: اللہ کے فیصلے پر اطمینان

رضا کا بلند ترین مفہوم یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو اپنے لیے بہتر سمجھے، خواہ بظاہر وہ فیصلہ اسے دشوار محسوس ہو۔ بیماری آئی تو صبر کیا۔ تکلیف آئی تو صبر کیا۔ دینی میدان میں مشکلات آئیں تو استقامت اختیار کی۔ مخالفتیں ہوئیں تو مقصد نہ چھوڑا۔ یہ سب صبر کے مختلف مظاہر ہیں، لیکن ان سب کے پیچھے رضا کی کیفیت کارفرما تھی۔ ایک صابر شخص کہتا ہے "یہ مصیبت ہے، لیکن میں اسے برداشت کروں گا۔" جبکہ صاحبِ رضا کہتا ہے "یہ میرے رب کا فیصلہ ہے، اس لیے میں اسے خوش دلی سے قبول کرتا ہوں۔" حجۃ الاسلام کی زندگی اسی بلند روحانی کیفیت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

عشقِ رسول ﷺ اور صبر ورضا

حجۃ الاسلام کے صبر کی روح کو سمجھنے کے لیے ان کے عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی سامنے رکھنا ہوگا۔آپ کی زندگی درود وسلام سے وابستگی، محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ناموسِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت اور سنت نبوی کی پیروی سے عبارت تھی۔آپ علمی وتبلیغی مصروفیات سے فرصت کے اوقات ذکرو درود میں گزارتے تھے۔آپ کے آپریشن کے واقعے میں بھی یہی عشق نمایاں ہوتا ہے کہ جسمانی تکلیف کے عالم میں آپ کا سہارا درود وسلام تھا۔ یہاں ایک نہایت اہم روحانی سبق ہے: محبت انسان کو مصیبت سے فرار نہیں سکھاتی، بلکہ مصیبت کو برداشت کرنے کی قوت عطا کرتی ہے۔

اعلیٰ حضرت کے وصال کے موقع پر صبر

حجۃ الاسلام کی زندگی کا ایک نہایت اہم مرحلہ ان کے والد گرامی امام احمد رضا کا وصال پر ملال ہے۔اعلیٰ حضرت نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں حجۃ الاسلام کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور اپنی نمازِ جنازہ پڑھانے کی وصیت بھی فرمائی۔ وصال کے بعد حجۃ الاسلام ہی نے اپنے والد ماجد کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ یہ منظر یقیناً انتہائی رقت انگیز ہوگا۔ایک بیٹا اپنے عظیم والد کے جنازے کے سامنے کھڑا ہے، وہ والد جس کی آغوش میں اس نے علم سیکھا، جس سے اجازت وخلافت حاصل کی اور جس کی شخصیت اس کے لیے علم وعمل کا مرکز تھی۔ایسے موقع پر بھی دینی ذمہ داری کو نبھانا صبر واستقامت کی عظیم مثال ہے۔غم اپنی جگہ تھا، لیکن شریعت اور ذمہ داری اپنی جگہ! یہی صبر جمیل ہے کہ دل غم زدہ ہو مگر عمل مسلسل شریعت کے مطابق رہے۔

صبر اور ذمہ داری

حجۃ الاسلام کی شخصیت سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ صبر کا مطلب گوشۂ عافیت اختیار کرنا نہیں۔بعض لوگ صبر کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ انسان ہر مشکل سے الگ ہو جائے، خاموش بیٹھ جائے اور کسی کام میں حصہ نہ لے، اسلامی صبر اس کے برعکس ہے۔اسلامی صبر یہ ہے کہ انسان مشکل حالات میں بھی اپنی ذمہ داری ادا کرے۔حجۃ الاسلام نے اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد دینی ذمہ داریوں کو سنبھالا، علمی وتدریسی خدمات انجام دیں اور اہلِ سنت کے دینی وعلمی مشن کو آگے بڑھایا، یہ صبر بھی تھا اور وفا بھی۔

صبر اور اخلاق

صبر کا تعلق صرف مصیبت برداشت کرنے سے نہیں بلکہ اخلاق سے بھی ہے۔انسان جب غصے میں ہو اور اپنے غصے پر قابو پالے تو یہ صبر ہے۔کوئی برا سلوک کرے اور انسان جواب میں شائستگی اختیار کرے تو یہ صبر ہے۔کوئی اختلاف کرے اور انسان حدودِ شرع میں رہ کر جواب دے تو یہ صبر ہے۔حجۃ الاسلام کی حیات مبارکہ حسنِ اخلاق، بزرگوں کے احترام، چھوٹوں پر شفقت اور نرم خوئی سے عبارت ہے۔یہ اخلاقی صبر ہی دراصل انسان کو ”صاحبِ کردار“ بناتا ہے۔

اہل اسلام کے لیے حجۃ الاسلام کا پیغامِ صبر

آج کا انسان معمولی پریشانی میں گھبرا جاتا ہے، معمولی نقصان پر شکوہ شروع کر دیتا ہے، معمولی مخالفت پر تعلقات ختم کر دیتا ہے اور معمولی بیماری پر حوصلہ کھو دیتا ہے۔ایسے دور میں حجۃ الاسلام کی زندگی ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ: مصیبت آئے تو اللہ کو یاد کرو۔ بیماری آئے تو صبر کرو۔مخالفت ہو تو حق نہ چھوڑو۔ذمہ داری آئے تو پیچھے نہ ہٹو۔علم حاصل کرو اور اسے آگے پہنچاؤ۔دل کو ذکر و درود سے آباد رکھو اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتماد رکھو۔

نوجوانوں کے لیے خصوصی سبق

حجۃ الاسلام کی زندگی نوجوان نسل کے لیے بھی نہایت اہم پیغام رکھتی ہے۔آپ نے کم عمری میں علومِ دینیہ حاصل کیے، علمی میدان

اداریہ

میں نمایاں مقام پیدا کیا اور بعد میں دین کی خدمت میں اپنی پوری صلاحیت صرف کر دی۔ آپ کی سیرت بتاتی ہے کہ نوجوانی صرف دنیاوی ترقی کے لیے نہیں بلکہ علم، کردار اور خدمت کے لیے بھی بہترین زمانہ ہے۔ نوجوان اگر حجۃ الاسلام کی زندگی سے صرف تین چیزیں حاصل کر لیں تو ان کی زندگی بدل سکتی ہے: علم، استقامت اور ادب۔ علم انہیں صحیح راستہ دکھائے گا۔ استقامت انہیں راہِ راست پر قائم رکھے گی اور ادب انہیں علم کا حقیقی فائدہ پہنچائے گا۔

صبر کا صحیح مفہوم

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ صبر کا مطلب بے حسی یا درد محسوس نہ کرنا نہیں۔ اسلام انسان کو پتھر نہیں بناتا۔ غم میں آنکھ سے آنسو آسکتے ہیں۔ بیماری میں درد محسوس ہوسکتا ہے۔ کسی عزیز کی جدائی پر دل رنجیدہ ہوسکتا ہے۔ لیکن صبر یہ ہے کہ انسان اس کیفیت میں بھی اپنے خالق و مالک سے بدگمان نہ ہو، زبان سے ناشکری کے الفاظ نہ نکالے اور شریعت کی حدود سے تجاوز نہ کرے۔ اسی طرح رضا کا مطلب یہ بھی نہیں کہ انسان علاج نہ کرے یا اسباب اختیار نہ کرے بلکہ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اسباب اختیار کرنا اور نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا توکل ہے۔ حجۃ الاسلام کے آپریشن کا واقعہ اس پہلو سے بھی قابلِ غور ہے کہ ضروری علاج کا مرحلہ آیا تو آپریشن کرایا گیا، مگر اس دوران ذکر و درود اور روحانی استقامت کو اختیار فرمایا۔

صبر و رضا کا جامع نمونہ

حجۃ الاسلام کی شخصیت میں صبر و رضا کی کئی جہتیں جمع ہوگئی تھیں: عبادت میں صبر، علم کے حصول میں صبر، تدریس میں صبر، دعوت و تبلیغ میں صبر، جسمانی تکلیف میں صبر، مخالفت کے مقابلے میں استقامت، غم و جدائی کے موقع پر ضبط، دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ثابت قدمی، ذکر و درود سے مستقل وابستگی، اللہ رب العزت کے فیصلوں پر اعتماد! یہی وجہ ہے کہ آپ کی شخصیت محض ایک عالم کی شخصیت نہیں بلکہ ایک ''مردِ استقامت'' کی شخصیت بن کر سامنے آتی ہے۔

حجۃ الاسلام کے صبر و رضا سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ انسان کا اصل سکون حالات کے بدلنے میں نہیں بلکہ دل کے اپنے رب سے جڑنے میں ہے۔ دنیا میں حالات کبھی یکساں نہیں رہتے۔ کبھی خوشی آتی ہے، کبھی غم! کبھی صحت، کبھی بیماری! کبھی عزت، کبھی مخالفت! کبھی آسانی، کبھی مشکلات! لیکن اللہ کی ذات ہر حال میں باقی ہے۔ جس کا تعلق اللہ سے مضبوط ہو، وہ حالات کے بدلنے سے ٹوٹتا نہیں، حجۃ الاسلام کی زندگی ہمیں یہی درس دیتی ہے۔

حضور حجۃ الاسلام کی حیاتِ مبارکہ علم و فضل، زہد و تقویٰ، عشقِ رسول ﷺ، خدمتِ دین اور صبر و استقامت کا عطر بیز مجموعہ تھی۔ آپ کی شخصیت اپنے والد ماجد امام احمد رضا کے علمی و روحانی فیض کی امین تھی اور آپ نے اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں اس فیض کا عملی اظہار فرمایا۔ آپ نے علمی جد و جہد، درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، ناموسِ رسالت ﷺ کے تحفظ اور اہلِ سنت کی دینی رہنمائی کے میدان میں مسلسل استقامت کا مظاہرہ کیا۔

ان کی حیاتِ طیبہ آج بھی ہمیں یہ پیغام دیتی ہے: مصیبت آئے تو صبر کرو، نعمت ملے تو شکر کرو، حق سامنے آئے تو اسے اختیار کرو، مخالفت ہو تو ثابت قدم رہو اور ہر حال میں اپنے رب سے تعلق مضبوط رکھو۔ حقیقت یہ ہے کہ حجۃ الاسلام کا صبر محض تکلیف برداشت کرنے کا نام نہیں تھا، بلکہ وہ رضا بالقضا کی طرف لے جانے والا صبر تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور حجۃ الاسلام کے علم و عمل، تقویٰ و اخلاص، عشقِ رسول ﷺ اور صبر و رضا سے فیض یاب فرمائے، ہمیں مصائب کے وقت صبرِ جمیل اور نعمتوں کے وقت شکرِ نعمت کی توفیق عطا فرمائے اور اکابر اہلِ سنت کے نقشِ قدم پر چلنے کی سعادت نصیب فرمائے، آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

اداریہ

میزانِ اعمال کی حقیقت اور دو عظیم کلمات کی بے مثال فضیلت

از: مولانا محمد مبارک حسین ازہری*

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس مختصر مگر جامع حدیث پاک میں جن تین اوصاف کا ذکر فرمایا ہے، وہ اپنے اندر معرفت الٰہی، عقیدۂ آخرت، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کے عظیم اسرار سموئے ہوئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ۔"

یہ تینوں اوصاف درحقیقت ایک مومن کی پوری زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ اگر انسان ان پر غور کرے تو معلوم ہوگا کہ نجاتِ آخرت کا راستہ صرف کثرتِ اعمال میں نہیں، بلکہ اخلاص، محبت الٰہی اور دوامِ ذکر میں پوشیدہ ہے۔

پہلی صفت: اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کلمات باعثِ ثواب ہیں، بلکہ فرمایا کہ یہ رحمٰن اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں۔ یہ الفاظ اہلِ ایمان کے لیے نہایت عظیم بشارت ہیں، کیونکہ مومن کی سب سے بڑی آرزو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنا ہے۔ جس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنالے، تو اس کے لیے دنیا و آخرت کی ہر کامیابی آسان ہوجاتی ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ۔ عن قریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔"

ذکرِ الٰہی، محبت الٰہی کا سب سے روشن مظہر ہے۔ بندہ جب "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" کہتا ہے تو وہ اپنے رب کی پاکی اور اس کی حمد کا اقرار کرتا ہے اور یہی اقرار اسے اللہ تعالیٰ کی محبت کے قریب لے جاتا ہے۔

دوسری صفت: زبان پر نہایت ہلکے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلمات زبان پر نہایت ہلکے ہیں۔ اسلام کی یہی خصوصیت ہے کہ اس نے نجات کے راستے کو دشوار نہیں بنایا۔ بعض عبادات کے لیے مخصوص اوقات، حالات یا استطاعت درکار ہوتی ہے، لیکن ذکرِ الٰہی ایک ایسی عبادت ہے جو ہر وقت، ہر جگہ اور ہر حال میں کی جاسکتی ہے، چاہے انسان سفر میں ہو یا حضر میں، صحت مند ہو یا بیمار، نوجوان ہو یا معمر، عالم ہو یا عام مسلمان، ہر شخص ان مبارک کلمات کو آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

تیسری صفت: میزانِ اعمال میں نہایت بھاری

حدیث کا سب سے عظیم پہلو یہ ہے کہ یہ دو مختصر کلمات قیامت کے دن میزانِ اعمال میں نہایت بھاری ہوں گے۔ یہاں ایک اہم عقیدہ سمجھنا ضروری ہے کہ اہلِ سنت والجماعت کا ایمان ہے کہ قیامت کے دن ایک حقیقی میزان قائم کی جائے گی۔ وہ محض انصاف کی علامت یا استعارہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ایک حقیقی ترازو ہوگی، جس میں بندوں کے اعمال تولے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ۔ اور اس دن وزن کرنا برحق ہوگا۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

"فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ○ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ○ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ○ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ۔ پس جس کے اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا، وہ خوشگوار زندگی میں ہوگا، اور جس کے اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا، اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ آخرت میں کامیابی کا معیار دنیاوی

* مضمون نگار گری نوادہ رچھا بریلی شریف یوپی کے متوطن ہیں۔

شہرت، اقتدار، حسب ونسب یا مال و دولت نہیں ہوگا، بلکہ اعمال کا وزن ہوگا اور اعمال کا وزن ایمان، اخلاص، تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوگا۔

ان دو کلمات کا علمی مفہوم

"سُبْحَانَ اللّٰہِ" اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب، ہر نقص، ہر کمزوری، ہر ظلم، ہر حاجت اور ہر اس وصف سے پاک ہے جو اس کی شانِ الوہیت کے خلاف ہو۔

"وَبِحَمْدِہٖ" یعنی تمام تعریفیں، تمام کمالات، تمام نعمتیں اور ہر قسم کی حمد وثنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔

"سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات، قدرت، علم، حکمت، رحمت، جلال اور کبریائی میں بے مثال عظمت والا ہے، اس جیسا نہ کوئی ہے، نہ کبھی ہوگا۔"

یہ دونوں کلمات درحقیقت توحید، تنزیہ، تعظیم، حمد، شکر، محبت اور معرفت الٰہی کا جامع خلاصہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں میزانِ اعمال کا عظیم سرمایہ قرار دیا۔

ائمۂ حدیث کی تشریحات

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کلمات کا وزن اس لیے زیادہ ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی پاکی، اس کی حمد، اس کی کبریائی اور اس کی عظمت کا کامل اقرار موجود ہے اور یہی ایمان کی روح ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بے شمار ایسے فضائل پوشیدہ ہیں جن کا مکمل اندازہ انسانی عقل نہیں کر سکتی۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان دو مختصر اذکار میں عقیدۂ توحید، ادبِ بندگی اور تعظیم رب العالمین کے بنیادی اصول جمع ہو گئے ہیں، اسی لیے ان کا وزن غیر معمولی ہوگا۔ پس جو زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے، وہ زبان قیامت کے دن اپنے مالک کے لیے باعثِ عزت، باعثِ نجات اور باعثِ قربِ الٰہی بن جائے گی۔

ذکر الٰہی کی روحانی تاثیر اور انسانیت کے لیے ابدی پیغام

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو مختصر کلمات کو اللہ تعالیٰ کا محبوب، زبان پر ہلکا اور میزانِ اعمال میں بھاری قرار دیا تو درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو ایک ایسا خزانہ عطا فرمایا جس کی قدر و قیمت دنیا کی تمام دولتوں سے بڑھ کر ہے۔ یہ وہ نعمت ہے جس کے لیے نہ کسی خاص وقت کی پابندی ہے، نہ کسی مخصوص مقام کی شرط، نہ دولت کی ضرورت ہے اور نہ جسمانی طاقت کی۔ ایک غریب بھی اسے حاصل کر سکتا ہے، ایک امیر بھی؛ ایک عالم بھی اس سے فیض یاب ہو سکتا ہے اور ایک عام مسلمان بھی۔

اسلام کی یہی شان ہے کہ اس نے نجات کے راستے کو ہر انسان کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ بعض عبادات کے لیے مال چاہیے، بعض کے لیے جسمانی طاقت، بعض کے لیے سفر اور بعض کے لیے مخصوص حالات؛ لیکن ذکرِ الٰہی ایسی عبادت ہے جو انسان کے ساتھ ہر لمحہ رہ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے اہلِ ایمان کی سب سے نمایاں صفت یہ بیان کی:

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ○ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا - اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کیا کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کیا کرو۔"

یہ آیت اس حقیقت کو آشکار کرتی ہے کہ ذکر صرف عبادت نہیں بلکہ مومن کی زندگی کا مستقل سرمایہ ہے۔ جس دل میں ذکرِ الٰہی آباد ہو جائے، وہاں غفلت، تکبر، حسد، کینہ اور دنیا پرستی زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتے۔

ذکر دلوں کی زندگی ہے

جس طرح پانی کے بغیر زمین بنجر ہو جاتی ہے، اسی طرح ذکرِ الٰہی کے بغیر دل ویران ہو جاتا ہے۔ انسان بظاہر زندہ ہوتا ہے مگر اس کا باطن مردہ ہو جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ذکر کرنے والے اور ذکر سے غافل شخص کی مثال زندہ اور مردہ انسان سے دی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل زندگی جسم کی نہیں بلکہ دل کی زندگی ہے اور دل کی زندگی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے وابستہ ہے۔

جب بندہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ" کہتا ہے تو اس کی زبان حرکت کرتی ہے، مگر حقیقت میں اس کا دل اللہ تعالیٰ کی عظمت کے

سامنے جھک رہا ہوتا ہے، اس کی روح اپنے خالق سے تعلق مضبوط کر رہی ہوتی ہے اور اس کا باطن نورِ معرفت سے روشن ہو رہا ہوتا ہے۔

موجودہ دور میں اس حدیث کی ضرورت

آج کا انسان مادی ترقی کے باوجود روحانی بے سکونی کا شکار ہے، آسائشیں بڑھ گئی ہیں مگر اطمینان کم ہو گیا ہے، معلومات میں اضافہ ہوا ہے مگر حکمت کم ہوتی جا رہی ہے، عمارتیں بلند ہو گئی ہیں مگر کردار پست ہوتے جا رہے ہیں۔ ذرائعِ ابلاغ وسیع ہو گئے ہیں مگر دلوں کے درمیان فاصلے بڑھتے جا رہے ہیں۔ ایسے ماحول میں یہ حدیث ایک روحانی انقلاب کا پیغام دیتی ہے، اگر انسان اپنے دن کا آغاز اللہ کی تسبیح سے کرے، اپنے معاملات میں اس کی حمد کو یاد رکھے اور ہر کامیابی کو اسی کی عطا سمجھے تو اس کے اندر عاجزی، شکر گزاری، صبر اور توکل جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہونے لگتی ہیں، ذکرِ الٰہی انسان کو صرف آخرت کے لیے تیار نہیں کرتا بلکہ دنیا میں بھی اسے ایک باوقار، متوازن، نرم خو، بااخلاق اور باکردار انسان بناتا ہے جو شخص ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت کو یاد رکھتا ہے، وہ ظلم نہیں کرتا، خیانت نہیں کرتا، تکبر نہیں کرتا، دوسروں کے حقوق نہیں کھاتا اور اپنے کردار سے معاشرے میں خیر وبھلائی پھیلاتا ہے۔

ائمہ ومحدثین کی نگاہ میں ذکر کی عظمت

یہ بات کسی اہلِ علم ومعرفت سے پوشیدہ نہیں کہ ذکرِ الٰہی دل کے لیے اسی طرح ضروری ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی۔ اگر مچھلی کو پانی سے نکال دیا جائے تو وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتی، اسی طرح اگر دل کو ذکرِ الٰہی سے محروم کر دیا جائے تو وہ روحانی طور پر مردہ ہو جاتا ہے۔ حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں دلوں کا نور، آنکھوں کی ٹھنڈک اور روحوں کی غذا ہے۔ حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ جو بندہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی فرشتوں کے سامنے اس کا ذکر فرماتا ہے اور اس سے بڑھ کر بندے کے لیے کون سی عزت ہو سکتی ہے؟

ایک مؤمن کا روزانہ کا معمول

اگر ہر مسلمان یہ عہد کر لے کہ صبح وشام، نمازوں کے بعد، سفر کے دوران، گھر میں، بازار میں، چلتے ہوئے، بیٹھتے ہوئے اور سونے سے پہلے کم از کم سو مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" اور کثرت سے "سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ" پڑھے، تو یقیناً اس کی زندگی میں روحانی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ اس کی زبان پاکیزہ ہوگی، دل نرم ہوگا، کردار سنورے گا، گناہوں سے نفرت پیدا ہوگی اور آخرت کے لیے اعمال کا خزانہ جمع ہوگا۔

یہ دو کلمات صرف ذکر نہیں، بلکہ بندگی کا اعلان، توحید کا اقرار، عظمتِ الٰہی کا اعتراف، شکر وحمد کا اظہار اور آخرت کی کامیابی کا سرمایہ ہیں۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کی زبان ان مبارک کلمات سے ہمیشہ تر رہے، کیونکہ یہی کلمات قیامت کے دن اس کے میزانِ اعمال کو بھاری کرنے اور اسے رحمتِ الٰہی کا مستحق بنانے کا ذریعہ بنیں گے۔

امت مسلمہ کے لیے اس حدیث کے عظیم پیغامات

حدیث پاک کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو صرف ایک مثال نہیں سنائی، بلکہ قیامت تک آنے والے ہر مسلمان کے لیے زندگی کا مکمل لائحۂ عمل عطا فرمایا۔ یہ حدیث ہر اس شخص کو جھنجھوڑتی ہے جو حق کو جان لینے کے باوجود غفلت، سستی یا دنیا کی محبت میں مبتلا ہے۔ آج پوری امت مسلمہ کو اپنے آپ سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ کیا ہم واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس درد بھری پکار کو سن رہے ہیں؟

کیا ہماری زندگی قرآن وسنت کے مطابق ڈھل رہی ہے؟
کیا ہماری اولاد دین سے وابستہ ہو رہی ہیں؟ کیا ہمارے گھروں میں سنت نبوی کی خوشبو محسوس ہوتی ہے؟ کیا ہمارے بازار دیانت وامانت کا نمونہ ہیں؟ کیا ہماری مسجدیں صرف عبادت گاہ ہیں یا تربیت گاہ بھی ہیں؟ اگر ان سوالات کے جواب اطمینان بخش نہیں، تو ہمیں اپنی زندگی کا رخ بدلنے کی ضرورت ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ امتوں کا زوال صرف دشمن کی طاقت سے نہیں آتا، بلکہ اس وقت آتا ہے جب وہ اپنے اصول، اپنی شناخت، اپنے دین اور اپنے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

تعلیمات سے دور ہو جاتی ہیں۔ جب کردار کمزور ہو جائے، جب دیانت ختم ہو جائے، جب امانت ناپید ہو جائے، جب عدل کی جگہ ظلم لے لے، جب اخلاص کی جگہ ریا آجائے، تو پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی اٹھ جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں امت کے لیے یہ ابدی پیغام موجود ہے کہ نجات کا راستہ صرف اور صرف اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کوئی قوم اپنی عقل، اپنی تہذیب، اپنی طاقت یا اپنی دولت کے بل پر کامیاب نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس وقت سر بلند ہوتی ہے جب اس کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مضبوط ہوتا ہے۔

آج امت کو سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ اختلافات سے نکل کر قرآنِ کریم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو جائے۔ یہی وہ رشتہ ہے جس نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک امت بنایا، یہی وہ نور تھا جس نے صحراؤں میں رہنے والوں کو دنیا کا رہنما بنا دیا اور یہی وہ پیغام ہے جو آج بھی امت کو عزت اور وقار عطا کر سکتا ہے۔ اس حدیث سے حاصل ہونے والے چند اہم روشن اسباق درج ذیل ہیں:

(1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے سب سے بڑے خیر خواہ ہیں۔ (2) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر تعلیم دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ (3) حق کو پہچان لینے کے بعد اس پر فوراً عمل کرنا مؤمن کی شان ہے۔ (4) سنت نبوی سے دوری، امت کے زوال کی بنیادی وجوہات میں سے ایک ہے۔ (5) قرآن اور سنت کو مضبوطی سے تھام لینا ہر فتنے سے حفاظت کا سب سے مضبوط ذریعہ ہے۔ (6) والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو صرف دنیاوی تعلیم نہ دیں بلکہ قرآن، سنت، سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی اخلاق بھی سکھائیں۔ (7) علما، ائمہ، خطبا اور داعیانِ اسلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اخلاص، حکمت، محبت اور خیر خواہی کے ساتھ دعوتِ دین کا فریضہ انجام دینا چاہیے۔ (8) ہر مسلمان کو روزانہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے کہ آیا اس کی زندگی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق گزر رہی ہے یا نہیں۔ (9) دنیا کی زندگی چند روزہ ہے، جبکہ آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے؛ اس لیے ہمیشہ آخرت کو دنیا پر مقدم رکھنا چاہیے۔ (10) کامیاب وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حال میں حاضر ہو کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور محبت کو اپنی زندگی کا سرمایہ بنایا ہو۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

نبی کے نقشِ قدم پر جو چل کے دیکھے گا
وہی خزانۂ ایمان بدل کے دیکھے گا

معنی و مفہوم یہ ہے کہ: جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر سچے دل سے عمل کرے گا، وہ ایمان کی مٹھاس، قلبی سکون اور حقیقی کامیابی کو اپنی زندگی میں محسوس کرے گا۔ ایک اور شعر دلوں کو جھنجھوڑ دیتا ہے:

چراغِ مصطفیٰ سے اپنا دل روشن تو کر پہلے
اندھیروں کو مٹانے کا ہنر خود آہی جائے گا

معنی و مفہوم کچھ اس طرح کہ: جب انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں نافذ کر لیتا ہے تو گمراہی کے اندھیرے خود بخود ختم ہونے لگتے ہیں۔ آئیے! ہم سب آج عہد کریں کہ ہم اپنی زندگی کے ہر شعبے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اختیار کریں گے، اپنے گھروں کو قرآن و سنت کا گہوارہ بنائیں گے، اپنی اولاد کو ایمان، اخلاق اور سیرتِ نبوی کی دولت سے آراستہ کریں گے اور اپنے کردار سے اسلام کی خوبصورتی دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔

اگر امت مسلمہ دوبارہ عزت، وقار، امن، اتحاد اور اللہ تعالیٰ کی نصرت چاہتی ہے تو اسے کسی نئے راستے کی تلاش نہیں، بلکہ اسی راستے کی طرف لوٹنے کی ضرورت ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری حیاتِ مبارکہ میں دعوت دی، یہی نجات کا راستہ ہے، یہی فلاح کا راستہ ہے اور یہی دنیا و آخرت کی حقیقی کامیابی کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنِ کریم کو مضبوطی سے تھامنے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت نصیب فرمانے، بقیہ ص ۱۵ / پر

* مضمون نگار جامعہ خوشتر رضائے فاطمہ گرلس اسکول سوار ضلع رامپور کے استاذ ہیں۔

اسلامیات

از: مفتی محمد رضا قادری مرکزی*

عدلِ فاروقی کے سائے میں پروان چڑھتی انسانیت

دنیا کی تاریخ میں حکمرانوں کی کمی نہیں۔ تاج وتخت کے مالک بھی بے شمار گزرے، وسیع سلطنتوں کے فرمانروا بھی آئے اور چلے گئے، لیکن چند شخصیات ایسی ہیں جن کے نام کے ساتھ صرف اقتدار نہیں بلکہ انصاف، رحم، دیانت اور انسانیت کا تصور بھی وابستہ ہو گیا۔ ان عظیم ہستیوں میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام نمایاں ترین ہے۔

آج جب دنیا انسانی حقوق کے دعووں سے گونج رہی ہے، اقوامِ متحدہ انصاف کے منشور جاری کر رہی ہے اور عالمی طاقتیں عدل ومساوات کے نعرے بلند کر رہی ہیں، ایسے میں اگر تاریخ کے اوراق پلٹے جائیں تو چودہ سو سال پہلے مدینہ کی گلیوں میں ایک ایسا حکمران نظر آتا ہے جس نے انصاف کو محض قانون کی کتابوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے معاشرے کی روح بنا دیا تھا۔

حضرت عمر فاروق کا دورِ خلافت اس حقیقت کا زندہ ثبوت ہے کہ جب حکمران خدا کے سامنے جواب دہی کا احساس رکھتا ہو تو رعایا سکون، امن اور عزت کی زندگی گزارتی ہے۔ آپ کے نزدیک حکومت اقتدار کا نام نہیں تھی بلکہ ایک امانت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے: "اگر دریائے فرات کے کنارے ایک جانور بھی بھوک یا پیاس سے مر جائے تو عمر سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔"

سوچیے! آج کے حکمران اپنے ملک کے کروڑوں انسانوں کی محرومیوں پر بھی بے حس نظر آتے ہیں، جبکہ حضرت عمر ایک جانور کے حق کے بارے میں بھی خود کو جواب دہ سمجھتے تھے۔ یہی وہ احساسِ ذمہ داری تھا جس نے عدلِ فاروقی کو تاریخ کا لازوال باب بنا دیا۔ حضرت عمر کے دور میں قانون امیر وغریب کے لیے یکساں تھا، نہ کسی وزیر کو استثنا حاصل تھا اور نہ کسی گورنر کو رعایت۔

جب مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے نے ایک عام شخص کو ناحق مارا تو حضرت عمر نے اسے مدینہ بلوایا اور مظلوم کو حق دیا کہ وہ ظالم سے بدلہ لے، پھر وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا "تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا جبکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا؟" یہ صرف ایک فیصلہ نہیں تھا بلکہ انسانی آزادی کا وہ اعلان تھا جس کی گونج آج بھی سنائی دیتی ہے۔

افسوس کہ آج ہمارے معاشروں میں عدل کا معیار بدل چکا ہے۔ قانون طاقتور کے لیے نرم اور کمزور کے لیے سخت ہو جاتا ہے۔ سفارش انصاف پر غالب آجاتی ہے، دولت حق کو خرید لیتی ہے اور عہدے سچائی کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ ایسے ماحول میں عدلِ عمر ایک آئینہ بن کر ہمارے سامنے کھڑا ہے اور ہم سے سوال کر رہا ہے کہ کیا ہم واقعی انصاف پسند قوم ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عدل صرف انسانوں تک محدود نہ تھا بلکہ غیر مسلم رعایا بھی اس سے مستفید ہوتی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے بوڑھے، معذور اور ضرورت مند غیر مسلموں کے لیے بھی بیت المال سے وظائف مقرر کیے۔ اس لیے کہ اسلام کا عدل مذہب، نسل اور قومیت کی بنیاد پر تقسیم نہیں ہوتا بلکہ انسانیت کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔

آج دنیا میں ظلم کے خلاف کانفرنسیں ہوتی ہیں، سیمینار منعقد ہوتے ہیں، قراردادیں پاس کی جاتی ہیں، لیکن ظلم ختم نہیں ہوتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے عدل کو نعروں تک محدود کر دیا ہے۔ حضرت عمر نے عدل کو کردار بنایا، زندگی بنایا اور حکمرانی کا محور بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راتوں کو مدینہ کی گلیوں میں گشت کرتے تھے۔ انہیں یہ فکر ستاتی تھی کہ کہیں کوئی بھوکا نہ سو جائے، کہیں کسی مظلوم کی فریاد ان تک پہنچنے سے پہلے خاموش نہ ہو جائے، کہیں کوئی یتیم محروم نہ رہ جائے۔

اسلامیات

* مضمون نگار الجامعۃ القادریہ نجم العلوم مالیگاؤں مہاراشٹر کے استاذ ہیں۔

آج اگر حکمران، علما، تاجر، اساتذہ اور معاشرے کے ذمہ دار افراد اس احساس کو اپنالیں تو بہت سے مسائل خود بخود حل ہوجائیں، عدلِ عمر دراصل صرف ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ ایک زندہ پیغام ہے۔ یہ پیغام ہمیں بتاتا ہے کہ قومیں محض ترقیاتی منصوبوں سے نہیں بنتیں بلکہ انصاف سے بنتی ہیں۔ عمارتیں، سڑکیں اور پل کسی ملک کو عظیم نہیں بناتے، بلکہ عدل، دیانت اور جواب دہی اسے عظمت عطا کرتے ہیں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت کو محض جلسوں اور تقریروں تک محدود نہ رکھیں بلکہ اپنے انفرادی اور اجتماعی کردار میں اسے نافذ کریں۔ جب گھروں میں انصاف ہوگا، بازاروں میں انصاف ہوگا، عدالتوں میں انصاف ہوگا اور حکمرانی میں انصاف ہوگا تو پھر وہی معاشرہ وجود میں آئے گا جو کبھی عدلِ عمر کے سائے میں پروان چڑھا تھا۔ تاریخ کا فیصلہ واضح ہے۔ ظلم وقتی طور پر طاقتور دکھائی دے سکتا ہے، لیکن بقا ہمیشہ عدل کو حاصل ہوتی ہے اور جب بھی عدل کا تذکرہ ہوگا، دنیا احترام کے ساتھ ایک نام ضرور لے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت ہمیں بتاتی ہے کہ انصاف صرف قاضی یا جج کی ذمہ داری نہیں بلکہ ہر انسان کی ذمہ داری ہے۔ باپ اپنی اولاد میں، استاد اپنے طلبہ میں، تاجر اپنے گاہکوں میں اور عالم اپنے ماننے والوں میں انصاف کرے، تبھی معاشرہ عدل کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

آج دنیا انسانی حقوق کے بڑے بڑے ادارے قائم کرچکی ہے، لیکن ظلم، جنگیں، بھوک اور ناانصافیاں ختم نہیں ہوسکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قوانین تو موجود ہیں مگر حضرت عمر جیسا کردار اور جواب دہی کا احساس موجود نہیں۔ نوجوان اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ عظمت دولت، شہرت یا طاقت میں نہیں بلکہ کردار، انصاف اور حق گوئی میں ہے۔

حضرت عمر جوانی میں بھی بے خوف تھے اور خلافت کے منصب پر بھی حق کے سامنے سر جھکانے والے تھے۔ حضرت عمر نے دنیا کے عظیم علاقے فتح کیے، مگر آپ کی اصل فتح زمینوں کی نہیں بلکہ دلوں کی فتح تھی۔ شام، مصر اور عراق کے لوگوں نے مسلمان افواج کا خیر مقدم اس لیے کیا کہ انہوں نے عدلِ فاروقی کے چرچے پہلے ہی سن رکھے تھے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ایک رات حضرت عمر نے بچوں کے رونے کی آواز سنی۔ معلوم ہوا کہ ہانڈی میں صرف پانی ابالا جارہا تھا تاکہ بچے یہ سمجھ کر سوجائیں کہ کھانا پک رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر عمر رو پڑے اور خود اپنے کندھے پر آٹا اٹھا کر لائے۔

سوال یہ ہے کہ آج کتنے صاحبِ اقتدار ایسے ہیں جو عوام کے درد کو اپنا درد سمجھتے ہیں؟ یاد رکھیں! قوموں کی عمریں ان کے محلات سے نہیں، ان کے انصاف سے ناپی جاتی ہیں۔ جب عدل زندہ رہتا ہے تو ریاستیں قائم رہتی ہیں اور جب عدل مرجاتا ہے تو سلطنتیں بھی مٹ جاتی ہیں۔ حضرت عمر فاروق کی زندگی اسی ابدی حقیقت کا روشن ترین ثبوت ہے۔

□ □ □

ص ۱۳؍ کا بقیہ ....

سنت نبوی پر استقامت عطا کرنے اور ایمان، اخلاص، تقویٰ اور حسنِ عمل کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے، اور قیامت کے دن اپنے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی شفاعت عظمیٰ نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔

□ □ □

قارئین کرام توجہ فرمائیں

ادارہ ہر ماہ پابندی کے ساتھ آپ کو رسالہ بھیجتا ہے مگر ڈاک کی لاپرواہی کی وجہ سے کچھ لوگوں کو رسالہ نہیں پہنچ پاتا، ایسے ممبران سے التماس ہے کہ ہمیں فون کرکے مطلع فرمائیں تاکہ محکمۂ ڈاک میں شکایت کرکے رسالہ پہنچایا جاسکے۔
8755096981 پر ہمیں ضرور مطلع فرمائیں۔

از: غلام مصطفیٰ رضوی*

عقیدۂ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اعلیٰ حضرت

ایمان وعقیدہ کی تباہی وبربادی کے لیے اہلِ باطل اور دشمنانِ اسلام ہر دور میں سرگرمِ عمل رہے ہیں۔ ہند کی سرزمین پر درجنوں فتنوں نے جنم لیا۔ ناموسِ رسالت ﷺ میں توہین و بے ادبی کے ذریعے عقائدِ اسلام کے قصرِ رفیع میں شگاف ڈالنے کی کوششیں کی گئیں۔ ماضی کے فتنوں میں سب سے نمایاں فتنہ ''قادیانیت/مرزائیت'' ہے۔ جس کا بانی غلام قادیانی ہے۔ قادیانیت/مرزائیت کے سدباب میں علماے حق نے اہم کردار ادا کیا۔ اِس ضمن میں سب سے نمایاں نام ان اکابرِ اسلام کا ہے: [۱] اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی [۲] حضرت پیر سید مہر علی شاہ چشتی گولڑوی [۳] مولانا غلام دستگیر قصوری ہاشمی نقشبندی

قادیانیوں نے عقیدۂ ختم نبوت کا انکار کیا۔ مرزا غلام قادیانی کو معاذ اللہ نبی کہا، لکھا اور اِسی عقیدے کی اشاعت کی۔ ختم نبوت؛ رسول اللہ ﷺ کے فضائل وخصائص سے ہے۔ حضور غوث اعظم مقام مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں:

''کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیداری کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی کوئی آپ کی خصوصیات میں شریک ہوسکتا ہے۔''(۱)

امام شرف الدین بوصیری فرماتے ہیں:

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ
فَجَوْھَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ

ترجمہ: آپ اپنی خوبیوں میں شریک سے پاک ہیں تو آپ کا جوہر حسن وجمال قابلِ تقسیم نہیں۔

مرزا غلام قادیانی نے جھوٹا دعویٰ نبوت کیا۔ اس کی تردید میں علما و اکابرِ دین نے سر سے کفن باندھ لیا۔ اس کے ایک ایک دعوے کا رَد دلائل کی روشنی میں کیا، جب کہ دوسری طرف برطانیہ نے اس فتنے کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ جن علمائے اسلام نے قادیانیت ومرزائیت کو بے نقاب کیا ان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی خدمات نمایاں ہیں۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:

"امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۱۳۲۰ھ میں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف لطیف ''المعتقد المنتقد'' پر قلم برداشتہ حاشیہ لکھا، اپنے دور کے مبتدعین نو پیدا فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے مرزائے قادیانی کے متعدد کفر گنوائے اور آخر میں فرمایا: ''اس کے علاوہ اس کے بہت سے ملعون کفر ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کے اور دوسرے تمام دجالوں کے شر سے محفوظ رکھے۔''(۲)

۱۳۲۴ھ میں امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین کے علماے اہلِ سُنّت کی خدمت میں ایک استفتا بھیجا، جس میں چند فرقوں اور ان کے عقائد کا تذکرہ تھا، ان میں سر فہرست مرزائیوں کا ذکر تھا۔(۳)

اس کے جواب میں حرمین شریفین کے علما نے مرزائیوں اور مرزائی کو کافر قرار دیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور ردّ مرزائیت میں مستقل رسائل بھی لکھے:

(۱) جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ: اس رسالہ مبارکہ میں عقیدۂ ختم نبوت پر ایک سو بیس حدیثیں اور منکرین کی تکفیر پر جلیل القدر ائمہ کی تیس تصریحات پیش کیں۔ (۲) المبین ختم النبیین: اس رسالہ میں بیان فرمایا کہ خاتم النبیین میں الف لام استغراق کے لیے ہے، یعنی ہمارے آقا ومولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیائے کرام کے خاتم ہیں، جو شخص اس استغراق کو نہیں مانتا اسے کافر کہنے کی ممانعت نہیں ہے، اس نے نصِ قرآنی کو جھٹلایا ہے،

* مضمون نگار نوری مشن مالے گاؤں مہاراشٹرا کے رکن ہیں۔

جس کے بارے میں اُمت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔(۴)

(۳) قھر الدیان علیٰ مرتد بقادیان: اس میں جھوٹے مسیح، مرزاے قادیانی کے شیطانی الہاموں کا رد کر کے عظمتِ اسلام کو اجاگر کیا ہے۔ (۴) السوء والعقاب علی المسیح الکذاب: ۱۳۲۰ھ میں امرتسر سے ایک سوال آیا کہ ایک مسلمان اگر مرزائی ہو جائے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس رسالہ میں دس وجہ سے مرزاے قادیانی کا کفر بیان کر کے متعدد فتاویٰ کے حوالے سے یہ حکم تحریر فرمایا:

''یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام بعینہٖ مرتدین کے احکام ہیں... شوہر کے کفر کرتے ہی عورت فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے۔''(۵)

(۵) الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی: یہ امام احمد رضا بریلوی کی آخری تصنیف ہے جو آپ نے وصال سے چند دن پہلے تحریر فرمائی۔ آپ کے صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''الصارم الربانی علی اسراف القادیانی'' تحریر فرمائی، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ تفصیل سے بیان کیا اور مرزا کے مثیل مسیح ہونے کا زبردست ردّ کیا۔ یہ رسالہ سہارن پور سے آنے والے سوال کے جواب میں لکھا گیا۔(۶)

یوں ہی اعلیٰ حضرت کے چھوٹے صاحبزادے مفتی اعظم علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں نے بھی قادیانیت کے خلاف رسالہ تحریر فرمایا۔ ''فتاویٰ رضویہ'' (قدیم ۱۲/جلدیں۔ جدید ۳۲/جلدیں) میں بہت سے سوالات قادیانیت سے متعلق ہیں، جن کے جواب میں امام احمد رضا نے دلائل کی روشنی میں قادیانیت کو بے نقاب کیا ہے— امام احمد رضا کے خلفا، تلامذہ نے بھی دنیا بھر میں قادیانیت کو بے نقاب کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی نے کئی کتابیں ردِ قادیانیت میں لکھیں۔ جن میں ''حقیقۃ المرزائین'' (عربی) ''مرزائی حقیقت کا اظہار'' (اردو) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

بہر کیف ضرورت اِس بات کی ہے کہ قادیانیت کے مکر و فریب سے قوم کو آگاہ کرنے کے لیے امام احمد رضا کی پانچوں کتابیں مع تخریج شائع کی جائیں۔ ان کے دیگر زبانوں میں تراجم کیے جائیں۔ انھیں عام کیا جائے تا کہ گلشنِ عقیدہ مہک مہک اٹھے ؎

مصطفائے ذاتِ یکتا آپ ہیں
یک نے جس کو یک بنایا آپ ہیں

حوالہ جات: (۱) بہ حوالہ الفتح الربانی، فتوح الغیب، اہل سنت کی آواز مارہرہ، غوث اعظم نمبر، ص ۸۹ (۲) المعتقد المنتقد، امام احمد رضا، مطبوعہ مکتبۂ حامدیہ لاہور، ص ۲۳۹ (۳) حسام الحرمین، امام احمد رضا، مطبوعہ مکتبۂ نبویہ لاہور، ص ۷—۱۵ (۴) فتاویٰ رضویہ، امام احمد رضا، طبع مبارک پور، ج ۶، ص ۵۸ (۵) مجموعہ رسائل ردِ مرزائیت، امام احمد رضا، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور، ص ۴۴ (۶) مجلہ یادگارِ رضا ۲۰۱۴ء، ص ۳۴—۳۵۔

٭٭٭

دوست واحباب کو ترغیب دیں

یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ ہمیں اپنے تأثرات ضرور لکھیں، آپ کے تأثرات ماہنامہ سنی دنیا کے صفحات کی زینت بنیں گے۔

کیا آپ نے اپنے دوست واحباب سے سنی دنیا کے تعلق سے اپنے تأثرات کا اظہار کیا؟ اگر نہیں تو ضرور بتائیں اور انھیں ماہنامہ کا ممبر بننے کی ترغیب بھی دیں، یہ دینی و دنیوی معلومات کا بے مثل خزانہ اور مرکز اہل سنت بریلی شریف کا ترجمان ہے۔

اگر آپ کاروباری ہیں تو رسالہ میں اس کا اشتہار دے کر اپنے کاروبار کو ترقی بھی دے سکتے ہیں۔

(از: مفتی فیضان رضا مرکزی*)

اعلیٰ حضرت اور فقہی تعریفات

اصحاب علم وفن اور اربابِ عقل و دانش پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عظیم المرتبت، امام اہلِ سنت، چراغِ معرفت، مجددِ دین وملت، شاہ امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی سینکڑوں علوم وفنون پر کمالِ دسترس رکھنے والی وہ نمایاں اور ہمہ جہت شخصیت ہے جو علم وآگہی کے جس محفل ومیدان میں جلوہ فگن ہوئی میر محفل اور قافلہ سالار کی حیثیت سے ممتاز نظر آئی۔

نیز آپ کی فقہی بصیرت اور آپ کا کمالِ اجتہاد "لیت ولعل، شک وشبہ، ریب وگمان" سے کوسوں دور اور وہم واوہام کے سائے سے بالکل پرے ہے، آپ پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ "ایمان ویقین کے اجالے" اور "وثوق واذعان" کی روشنی میں حکم دین بیان فرماتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک صدی سے زائد عرصہ کے بعد بھی ہزاروں علما، لاکھوں شہسواران راہ تحقیق اب تک آپ کی علمی گہرائی وگیرائی کا اندازہ لگانے سے قاصر ہیں۔

اہل علم کی عقلیں حیران اور انگشت بدنداں ہیں کہ جو کوئی اس ساحل پر کچھ علمی سیپیاں تلاش کرنے نکلتا ہے، اس کو فقہ وافتا سمیت مختلف علوم وفنون کے ایسے جداگانہ گوہر آبدار ہاتھ آتے ہیں، جو اہل عقل ودانش کی آنکھیں خیرہ کر دیتے ہیں، جو کہ آپ کی مجتہدانہ شان وعظمت پر شاہد عدل ہیں۔ بہر حال میں اپنے مقالے کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں: ایک آپ کا فقہی مقام! دوسرا آپ کی فقہی تعریفات، اصطلاحات اور اس کا موازنہ۔

سرکار اعلیٰ حضرت کے فقہی کارناموں اور دینی خدمات کو اگر کسی ایسی اکیڈمی یا ادارے سے موازنہ کیا جائے جس کی دینی خدمات سو سال پر محیط ہوں تو تن تنہا امام احمد رضا کی خدماتِ جلیلہ اس سو سالہ خدمات پر بھاری نظر آئیں گی۔ فقہ اسلامی میں محض ایک مقلد کی حیثیت رکھنے کے باوجود اگر موصوف کے فقہی تبحر علمی کا اندازہ ان کی تصنیفات کی روشنی میں کیا جائے تو بلاشبہ علمی تحقیق، تخلیق مسائل، استنباط مسائل، تخریج مسائل اور مسائل کی ترجیحات کے ساتھ ساتھ دقت نظر، معنی آفرین الفاظ، کثرتِ استدلال ومراجع کے سبب سے آپ مجتہد فی المسائل کے منصب پر فائز نظر آتے ہیں۔ بہر حال یہ ایک الگ بحث ہے کہ آپ طبقات فقہا میں کس منصب پر فائز ہیں اور یہ موضوع تحریر طویل کی متقاضی ہے۔

اس بحث میں سینکڑوں مقالہ جات اور رسائل وجدار یے شائع ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے اور ان سب کے بعد بھی ان کا احاطہ فقیر کی نظر میں ناممکن نظر آتا ہے اور یہ حقیقت ان کی تحریر پڑھنے والے ہر اس شخص پر آشکارا ہے جو منصفانہ مزاج رکھتا ہو اور رضویات کے سمندر میں غوطہ زنی کیا ہو، عربی زبان کا یہ مشہور شعر آپ کی شخصیت پر مکمل طور پر صادق آتا ہے:

لیس علی اللّٰہ بمستنکر = ان یجمع العالم في واحد

جس کو اردو دانوں نے اپنے الفاظ میں یوں ڈھالا کہ "خدا سے اس کا اچنبھا نہ جانکہ جمع ہو ایک شخص میں سب جہاں" آپ کو کتنے علوم وفنون پر مہارت حاصل تھی، ان کی تعداد محققین رضویات کے درمیان ابھی بھی زیر بحث ہے، بعض سرخیل علما نے ایک سو بیس 120 علوم شمار کرائیں ہیں جن پر آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

الحاصل آپ کی جوشان میدان فقاہت میں ہے وہ جداگانہ ہے۔ نیز اگر دیکھا جائے تو تمام علوم میں علم فقہ ایسا علم ہے جو تمام علوم کا جامع بلکہ اپنے مفہوم کی وسعت کے اعتبار سے اشرف و اعلیٰ ہے۔ کسی صاحب دل نے خوب کہا ہے:

وخیر علوم علم الفقہ لانہ = یکون الی کل العلوم توسلا

فان فقیھاً واحدا متورعا = علی الف ذي تفضل واعتلیٰ

* مضمون نگار دار الافتاء عید الاسلام جبل پور مدھیہ پردیش کے مفتی ہیں۔

یعنی تمام علوم میں سب سے بہتر فقہ ہی کا علم ہے، اس لیے کہ یہ علم تمام علوم کی طرف وسیلہ ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ ایک فقیہ صاحب ورع ہزار زاہدوں پر بلندی اور فضیلت رکھتا ہے۔

آپ کی شان فقاہت باعتبار تحریر

آپ کی شان فقاہت کے بین ثبوت فقہی انسائیکلو پیڈیا "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ" المعروف فتاویٰ رضویہ کی شکل میں موجود ہے۔ کہنے کو تو یہ صرف فتاویٰ کا مجموعہ ہے مگر حقیقت میں "علم قرآن، علم تفسیر، اصول تفسیر، علم حدیث، اصول حدیث، اسماء رجال، علم لغت، علم بیان، علم معانی، علم بدیع، علم فقہ، اصول فقہ، رسم المفتی، علم صرف، علم نحو، علم کلام، علم سیر و تاریخ، علم تصوف، حساب، ہیئت، علم توقیت، جغرافیہ، ہیئت قدیم، ہیئت جدید، علم اخلاق، علم تجوید، علم قرأت، علم فرائض، وغیرہ علوم وفنون کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے، جس کا جی چاہے مطالعہ کر کے اطمینان حاصل کر لے۔

پھر ایسی دقیق ابحاث اور محیر العقول نکتہ آفرینی تحقیقات و تدقیقات مسائل کے استنباط کا انوکھا انداز کہ اجلہ علمائے اعلام انگشت بدنداں ہو جائیں۔ صدہا مسائل میں آپ زید مجدہ اپنے امام حنیف سراج الائمہ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلدرہ کر اجتہاد بھی فرمایا جس کے نظائر سے فتاویٰ رضویہ شریف مملو ہے۔ اگر آپ کی تحریرات میں لفظ" اَقُول" کی بات کی جائے تو" لفظ اقول ان کے یہاں محض شوق استعمال میں نہیں آتا بلکہ وہ اس لفظ کے محل استعمال سے بھی اچھی طرح واقف ہیں اور کہتے ہیں کہ میں خوب جانتا ہوں کہ مقلدوں کے لیے یہ کب روا ہوتا ہے کہ وہ کہیں کہ میں کہتا ہوں، فتاویٰ رضویہ کی صرف جلد اوّل میں 411 فتاویٰ اور 82 رسائل ہیں اور اس میں مولانا کی تحقیقات کی تعداد" اقول" سے چھ ہزار تین سو ترپن (6353) ہے۔ اپنی اسی مجتہدانہ تبحر علمی کو استعمال کرتے ہوئے مولانا نے اپنے پیش رو جید فقہائے کرام سے اختلاف بھی کیا ہے۔"

(ڈاکٹر اقبال کا تصور اجتہاد، صفحہ 472)

ثبوت تحریر میں ایسی سیکڑوں دلیلیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر عنوان کی طوالت کے باعث اسی پر اکتفا کیا ہے۔

آپ کی شان فقاہت باعتبار اقوال

(1) امام اہل سنت نے اپنے فقہی ذخیرہ سے چند عربی زبان پر مشتمل فتاویٰ حافظ کتب الحرمین حضرت اسمٰعیل خلیل مکی کو بھیجا تو مطالعہ کے بعد آپ نے یوں علمی خراج پیش کیا:

"واللّٰہ اقول والحق انہ لو راھا ابو حنیفۃ النعمان لاقرت عینہ ویجعل مؤلفھا من الاصحاب۔" (الاجازۃ المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینہ) ترجمہ: مجھے قسم ہے اللہ عزوجل کی میں نہایت سچی بات کہتا ہوں اگر ابو حنیفہ نعمان ان کو دیکھتے تو ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور اس کے مؤلف کو اپنے اصحاب میں شامل کر لیتے۔"

یہ مذکورہ عبارت یوں بھی منقول ہے:

"واللّٰہ اقول والحق انہ لو راھا۔" (فتاویٰ رضویہ)" ابو حنیفۃ النعمان لاقرت عینہ ولجعل مؤلفھا من جملۃ الاصحاب۔" (الاجازۃ المتینۃ)

(2) تاج العلماء اولادِ رسول حضرت محمد میاں مارہروی قدس سرہ نے فرمایا:

" اعلیٰ حضرت کو میں علامہ ابن عابدین شامی پر فوقیت دیتا ہوں کیونکہ جو جامعیت اعلیٰ حضرت کے یہاں ہے وہ ابن عابدین شامی کے ہاں نہیں۔" (امام احمد رضا کی فقہی بصیرت)

(3) مرشد گرامی حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان قادری نوری ازہری بریلوی قدس سرہ نے فرمایا:

" اصحاب تنقیح میں ان (حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز) کا معاملہ علامہ شامی اور علامہ طحطاوی سے بھی آگے ہے اور عامۃ المشاہیر کتاب میں یہ لکھا ہے کہ پانچ سو برس پہلے تک ایسا عالم نظر نہیں آتا اور کفل الفقیہ الفاہم وغیرہ جیسی کتابیں ان میں اجتہاد فی المسائل کی عجیب شان نظر آتی ہے اس کی وجہ سے لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ اگر امام اعظم اِن کو پاتے تو ان کو اپنے اصحاب کی جگہ دیتے اور ان کو اپنے قریب

رضویات

بٹھاتے۔" (امام احمد رضا بحیثیت مجتہد کے ٹائٹل پیج پر)

کہنے والے کہہ سکتے ہیں، قاری سوچ سکتے ہیں کہ گھر کا کوئی فرد اگر تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہو تو اسے تملق اور جانبداری پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مخالفین اگر کسی کے فضل کی گواہی دیں تو اس میں ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں ہوتا کہ عربی کا مشہور مقولہ ہے: الفضل ما شھدت بہ الاعداء۔ ان کی فقیہانہ رفعت وبلندی کا عالم یہ ہے کہ اپنے تو اپنے غیروں نے بھی اعلیٰ حضرت کی شانِ فقاہت، اجتہادی قوت استعداد، کا اعتراف کیا ہے اسی کی نظیر میں چند مثالیں مذکور ہیں:

نمبر ایک: مولوی نظام الدین احمد پوری (وہابی) نے لکھا:

"علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں۔ یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں۔"

(سوانح سراج الفقہاء، مطبوعہ لاہور صفحہ نمبر 34)

نمبر دو: دیوبندی جماعت کے بڑے مفکرین میں شمار مولوی سید محمد یوسف شاہ بنوری کے والد سید زکریا شاہ بنوری پشاوری نے امام احمد رضا خان بریلوی کی فقہی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

"اگر اللہ تبارک وتعالیٰ ہندوستان میں امام احمد رضا خان بریلوی کو پیدا نہ فرماتا تو ہندوستان میں حنفیت ختم ہو جاتی۔" (امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، صفحہ نمبر 32)

نمبر تین: محمد ادریس کاندھلوی امین اصلاحی کے شاگرد ابو العلیٰ مودودی کے معتمد ہفت روزہ شہاب لاہور کے چیف ایڈیٹر نے امام احمد رضا کانفرنس اسلام آباد منعقدہ 1936 عیسوی میں کہا تھا:

"قرطاس وقلم سے میرا تعلق دو چار سال کی ہی بات نہیں نصف صدی کی بات ہے، اس دوران وقت کے بڑے بڑے اہل علم وقلم، علما ومشائخ کی صحبت میں بیٹھ کر استفادہ کرنے کا موقع ملا اور ان کے درس میں شریک رہا اور اپنی بساط کے مطابق فیض حاصل کرتا رہا، زندگی میں میں نے اتنی روٹیاں نہیں کھائی ہوں گی، جتنی کتابیں پڑھی ہیں۔ میری ذاتی لائبریری میں 10 ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں، وہ سب مطالعہ سے گزری ہیں، ان کے مطالعہ کے دوران میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی کتب نظر سے نہیں گزری تھیں اور مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ علم کا خزانہ پالیا ہے اور علم کا سمندر پار کر لیا اور علم کی ہر جہت تک رسائی حاصل کر لی، مگر جب امام اہل سنت (مولانا احمد رضا بریلوی) کی کتابیں مطالعہ کیں اور ان کے علم کے دروازہ پر دستک دی اور فیض یاب ہوا تو اپنے جہل کا احساس اور اعتراف ہوا یوں لگا کہ ابھی تو علم کے سمندر کے کنارے کھڑا سیپیاں چن رہا تھا۔

علم کا سمندر تو امام کی ذات ہے، امام (احمد رضا بریلوی) کی تصانیف کا جتنا مطالعہ کرتا جاتا ہوں، عقل اتنی ہی حیران ہوتی چلی جاتی اور یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ امام احمد رضا حضور نبی کریم ﷺ کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اتنا وسیع علم دے کر دنیا میں بھیجا ہے کہ علم کی کوئی جہت ایسی نہیں جس پر امام کو دسترس حاصل نہ ہو اور اس پر کوئی تصنیف نہ کی ہو۔ یقیناً آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے صحیح جانشین تھے جس سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔" (مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، صفحہ 49،1415 ہجری 1944 عیسوی)

چلتے چلتے یہ بھی ملاحظہ ہو نمبر چار بارہ سوالوں کے جوابات کا مجموعہ کفل الفقیہ الفاہم کی تصنیف پر مخالفین بھی داد وتحسین پر مجبور ہوئے۔ ناظم ندوہ مولوی ابو الحسن نزہۃ الخواطر، جلد 8 صفحہ 41 پر رقم طراز ہے:

"ان کے زمانہ میں فقہ حنفی اور اس کے جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو اس حقیقت پر ان کے فتاوی اور ان کی کفل الفقیہ شاہد ہے۔" (امام احمد رضا بحیثیت مجتہد، صفحہ نمبر 632)

تعصب عناد سے بالاتر ہو کر امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی کتب خصوصاً فتاوی رضویہ شریف کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ جذبات کی رو میں بہہ کر ظاہر کیے گیے خیالات نہیں ہیں بلکہ حقیقت واقعہ کی عکاسی ہے۔

مقالہ کا دوسرا حصہ آپ کی فقہی تعریفات اور اصطلاحات کا موازنہ

اوّلاً: اردو زبان میں فقہی تعریفات عام طور پر یکجا نہیں ملتی۔

ثانیاً: اگر ملتی بھی ہیں تو ان میں وہ جامعیت نہیں جس سے جاننے والے معانی و مفاہیم تک بآسانی پہنچ جائیں اور احکام شرع کی معرفت بھی حاصل ہو۔ انہیں دشواریوں اور دقتوں کے پیش نظر ہم نے فقہی تعریفات کو یکجا کرنے کا اہتمام کیا اور بنام "التعریفات الرضویہ لمعرفۃ الاحکام الشرعیہ" المعروف بہ تعریفات رضویہ کی شکل میں شائع کیا۔ جب اس پر کام شروع ہوا تو پہلے اڈیشن میں 300 تعریفات کو یکجا کر کے شائع کیا گیا پھر اس کے بعد فتاویٰ رضویہ شریف کی تمام جلدوں کی بالاستیعاب ورق گردانی ہوئی تو تعریفات کی تعداد تقریباً 400 ہو گئی۔ پھر کتاب کی تمام تعریفات ہم نے 20 ابواب پر تقسیم کیا ہے۔

یقیناً اس فن میں بھی امام احمد رضا فاضل بریلوی بے نظیر و بے مثال ہیں، ذرا آپ خود سوچیے جب فقیہ اتنا عظیم منفرد المثال ہو تو اس کی لکھی ہوئی، سطور بشکل فقہی تعریفات و اصطلاحات کتنی معنی خیز اور کتنی دلچسپ و زبردست ہوں گی اور اس فن تعریفات میں بھی آپ کا اجتہاد پایا جاتا ہے، جس کی نظیر قابلِ دید ہے۔ قارئین کی بیداریٔ شوق کے ہم چند تعریفات یہاں ذکر کرتے ہیں جس سے آپ کی تبحر علمی اور مجتہدانہ شان ظاہر ہوگی وہیں قارئین کو کتاب کی اہمیت و افادیت کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔

مثال نمبر (۱) ایک ہوتی ہے محض تعریف کہ فقیہ صرف شئے کی ہیئت و ماہیت کو ذکر کر دے، لیکن امام اہل سنت صرف اس پر اکتفا نہیں فرماتے، کبھی تعریف کے ساتھ ساتھ تعریف بالحکم بھی فرماتے ہیں اور کبھی تعریف کے بعد پیدا ہونے والے سوالات شکوک وشبہات بھی خود ہی دور فرما دیتے ہیں، جیسے عشرۂ مبشرہ کی تعریف آپ نے فرمائی۔

عشرۂ مبشرہ کی تعریف

وہ دس صحابی جن کے قطعی جنتی ہونے کی بشارت وخوش خبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی ہی میں سنا دی تھی وہ عشرۂ مبشرہ کہلاتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۹ ص ۳۶۳، جدید)

یہ تعریف تو اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ سے مکمل ہو گئی، مگر ایک سوال کہ وہ دس مقدس صحابی کون ہیں تو آپ نے فوراً اس کے بعد وہ ذکر فرما دیا اور انداز اسلوب اتنا حسین کے پڑھ کر دل فرحت و شادمانی سے جھوم اٹھے اور عام طور پر تعریفات، اصطلاحات کا پہلو نثر میں پایا جاتا ہے لیکن امام اہل سنت نے اس فن کو نظم میں بھی ڈھالا آپ آگے بشکل اشعار فرماتے ہیں:

دہ یار بہشتی اند قطعی = بوبکر وعمر، عثمان وعلی

سعد ست سعید و بوعبیدہ = طلحہ ست و زبیر و عبدالرحمن

آپ دیکھیں کہ کتنے سلیس انداز میں آپ نے دسوں نام کو اس میں ذکر فرما دیا۔

مثال نمبر (۲) ایسے ہی آپ نے بشکل نظم * ماء مطلق، اس کے علاوہ ماء مستعمل * کی جامع و مانع تعریف کے ذکر کرنے کے بعد فرمایا: سہولتِ حفظ کے لئے فقیر اسے نظم کرتا اور برادران دینی سے دعائے عفو وعافیت کی طمع رکھتا ہے" اشعار:

مائے مستعمل کہ طاہر نا مطہر وصف اوست

جامع و مانع حدِ او از رضا دو حرف شد

مطلقہ کو واجب شستن زحدے کاست یا

بر بشر در قربت مطلوبہ عیناً صرف شد

راکدے کا بنسان جدا شد از بدن مستعمل است

لیکن نزد بعض چوں قائم بجا یا ظرف شد

(فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۴۷، جدید)

مثال نمبر (۳) یوں ہی جب آپ نے * کفر لزومی اور کفر التزامی کی تعریف فرمائی تو اس کے بعد پیدا ہونے والے شکوک وشبہات بھی از خود ہی دور فرما دیئے۔ کفر التزامی کی تعریف:

" التزامی یہ کہ ضروریات دین سے کسی شئی کا تصریحاً خلاف کرے یہ قطعاً اجماعاً کفر ہے۔ اگر چہ نام کفر سے چڑھے اور کمال اسلام کا دعوی کرے کفر التزامی کے مطلب یہ نہیں کہ صاف صاف اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہو۔ جیسے کہ بعض جہال سمجھتے ہیں یہ اقرار تو بہت طوائف کفار میں بھی نہ پایا جائے گا ہم نے دیکھا ہے بہترے ہندو کافر کہنے سے

چڑھتے ہیں۔" (رسائل رضویہ ج ۳۴، ص ۳۱۰)

اس تعریف میں آپ ملاحظہ کریں کہ یہ چند سطور کتنی جامع اور باوزن ہیں کہ اس میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات اور کفر التزامی کی صورت حال اور اس کا پس منظر کون چڑھتا ہے کون نہیں چڑھتا اور التزام کا قصد کس طور پر کس صورت میں پایا جاتا ہے۔ ساری وضاحت چند کلمات میں فرمادی۔

مثال نمبر (۴) ایسے ہی فن تعریفات میں امام اہل سنت کا اجتہاد بھی بے مثال ہے کہ جہاں آپ نے دوسرے فقہائے کرام کی تعریف نقل فرمائی اس کے بعد اس کے وضاحتی جملوں میں جو جامع و مانع تعریف فرمائی وہ قابل دید ہے، جیسے تیمم کی تعریف میں پہلے آپ نے چھ تعریفیں نقل فرمائیں۔ **پہلی:** عام شارحین ہدایہ کی۔ **دوسری:** وہ جس کو ملک العلماء نے بدائع میں ذکر کیا ہے۔ **تیسری:** وہ جس کو شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ تمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ نے تنویر الابصار میں۔ **چوتھی:** محقق علی الاطلاق نے اور ان کی اتباع میں بحر، شرنبلالی، ابن شلبی وغیرہ نے۔ **پانچویں:** علامہ ابن کمال وزیر نے اپنی کتاب اصلاح شرح ایضاح میں۔ **چھٹوی:** جو حدیث پاک سے ماخوذ پھر صاحب مذہب رضی اللہ عنہ کا نص، ان تمام کی تعریفات نقل فرمانے کے بعد لفظ "اقول" کے ذریعہ فرماتے ہیں:

ہفتم تعریف رضوی

اقول: وباللہ التوفیق! ان مباحث جلیلہ میں جو کچھ ہم نے منقح کیا، اس پر تیمم کی تعریف اصح واوضح واصرح بعونہ تعالیٰ یہ ہوئی کہ فرض طہارت کے لئے کافی پانی سے عجز کی حالت میں مسلمان عاقل کا اپنے بدن سے نجاست حکمیہ حقیقۃً یا صورۃً یا میت مسلم کے بدن سے نجاست موت حقیقیہ یا دوسرے قول پر حکمیہ دُور کرنے کے لئے اپنے یا اُس میت کے مُنہ اور ہاتھوں سے اُتنے حصّہ پر جس کا دھونا وضو میں فرض ہے جنس زمین سے کسی کامل الطہارۃ چیز کو خود یا اپنی نیت مذکورہ سے دوسرے کو حکم دے کر اُس کے واسطہ سے یوں استعمال کرنا کہ یا تو خود اس فعل سے اُن دونوں عضووں کے ہر جز کو اُس جنس ارض سے مس واقع ہو یا اپنے خواہ اپنے مامور کے وہ کف کہ اس کی نیت مذکور کے ساتھ جنس ارض سے اتصال دیئے گئے ہوں، اُن کے اکثر کا جدا جدا اتصالوں سے مُنہ اور کہنیوں کے اوپر ہر ہاتھ سے اس طرح مس ہونا کہ کوئی حصّہ ایسا نہ رہے جسے خود جنس ارض یا اُس کف سے اتصال نہ ہو۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۳، ص ۴۱۰، جدید)

اس تعریف میں آپ نے "اصح واوضح واصرح" کے ذریعہ تیمم کی تمام ماہیت کہ آدمی خود تیمم کرے یا کسی مریض کو تیمم کرائے اور اس کی تمام صورت حال کی وضاحت فرمادی ہے۔

مثال نمبر (۵) ایسے ہی آپ نے جنس ارض کی 14 فقہائے کرام کی تعریفات نقل فرمائیں اور اس کے بعد 15 ہویں تعریف خود فرمائی جس کے بارے میں فرمایا: عبارت رضویہ یہ ہے:

" وہ ثقیل علامت یابس الاصل کہ نہ کثیر المائیۃ ہو نہ آگ سے منطرق۔ عدم ترمد خود جنس میں آ گیا کما علمت" پھر ان الفاظ کے ذکر کرنے کے بعد ہو سکتا ہے کوئی قاری شکوک و شبہات کا شکار ہو اور یہ جاننے کی کوشش کرے کہ ان تمام تعریفات میں کون سی تعریف زیادہ صحیح ہے کون سی اصح ہے تو اس کے لیے بھی امام اہل سنت نے راہ ہموار فرمادی اور ارشاد فرمایا فقہائے کرام کی تعریفات میں کون سی تعریف اصح ہے، تو فرمایا: تو اصح تعریفات تعریف جلابی تھی اگر کل جزء منہ کی جگہ یہ جنس ہوتی۔" (فتاویٰ رضویہ، ج ۳ ص، ۵۹۲، جدید)

اور پھر اس ذکر کے بعد آخر میں محققین اپنی تحقیق میں کس قدر محنت کریں اور ان سب کے پنہاں جذبے کو ابھارنے کے لیے امام اہل سنت فرماتے ہیں:

"ھکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحنہ ولی التوفیق و صلی اللہ تعالٰی علی السید الکریم الرحیم الرفیق والہ وصحبہ ھداۃ الطریق۔ اٰمین۔ ترجمہ: اسی طرح تحقیق ہونی چاہئے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی توفیق کا مالک ہے اور خدائے تعالیٰ رحمت نازل فرمائے رحم وکرم اور نرمی والے آقا اور ان کی آل واصحاب پر جو راہِ حق کے ہادی ہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج ۳ ص، ۵۹۲، جدید)

مثال نمبر(۶) طوالت سے صرف نظر کرتے ہوئے آخری نمونہ تعریف ذکر کرتا ہوں۔ عبادات کی تعریف میں امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان نے سب سے پہلے یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں:

"تعریف عبادات سے مطلقاً حقوق اللہ مراد ہوتے ہیں خواہ عبادات محضہ ہوں جیسے ارکان اربعہ یا قربات محضہ جیسے عتق ووقف۔"

اس کے بعد آپ نے چھ مندرجہ ذیل فقہائے کرام کی تعریف نقل فرمائی: نمبرایک میں: امام لامشی، پھر ابوابوالسعود ازہری، سید احمد طحطاوی، سید محمد شامی۔ نمبر دو میں: امام شیخ الاسلام زکریا انصاری، علامہ سید احمد حموی، غمز العیون، نیز علامہ شامی۔ نمبر تین میں: شرح اشباہ والنظائر کے حوالہ سے۔ نمبر چار میں: تعریفات علامہ سید شریف کے حوالہ سے۔ نمبر پانچ میں: مفردات امام راغب کے حوالہ سے۔ نمبر چھ میں: تاج العروس کے حوالہ سے۔

ان تمام فقہائے کرام کی تعریفیں نقل کرنے کے بعد آپ نے وہ الفاظ جلیلہ حسینہ نقل فرمائے کہ پڑھنے کے بعد قاری مسکرا اٹھے اور امام اہل سنت کے فقاہت پر ناز کرتے ہوئے آپ کے انداز عاجزانہ پر حیرت میں پڑا رہے اور مسکراتا ہی رہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"یہ تعریفیں خود قابل تعریف ہیں وانا اقول وباللہ التوفیق۔"

عبادت کی تعریف رضوی

"عبادت کسی کو واقعی غایات تعظیم کا مستحق جان کر اس کی تعظیم بجالانا ہے اور اسی سے باعتقاد مذکور اس کے لیے تذلل نیز اس کے امر کا امتثال اس حیثیت سے کہ اس کا امر ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج، ۱۲ ص، ۲۹۱، ۲۹۲، قدیم)

ایسے ہی جواہر و درر کو پڑھنے دیکھنے کے لیے کتاب "تعریفات رضویہ" رضویہ کا مطالعہ کریں یقیناً اس کے وسیلے سے آپ امام اہل سنت کہ اس فن کی طرف بھی نظر کر سکیں گے اور پڑھ کر آپ کو یقیناً دلی خوشی محسوس ہوگی اور اصطلاحات وتعریفات کو لے کر آپ کے علم میں اضافہ ضرور ہوگا، وباللہ التوفیق! اللہ تعالیٰ ہمیں آسمان علم پر تحقیقات رضا کے چمکتے ستاروں سے رہنمائی حاصل کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو تحقیقات رضویہ کی برکت سے راہ حق پر استقامت عطا فرمائے، آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

□□□

ص ۲۷/ کا بقیہ.........................

چاہے کفر بولے، پھر بھی وہ مسلمان کا مسلمان رہے اور اس کے کفر سے آگاہ کرنا ضروری نہ ہو۔ کفر اور اسلام دو متضاد چیزیں ہیں جہاں کفر ہوگا وہاں لامحالہ ایمان نہیں ہوگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اظہارِ حق کے بجائے علما کی روشِ صلح کلیت جس طرح اکابر علمائے اسلام کے خلاف ہے اسی طرح یہ علمائے حق رامپور کے مسلک سے بھی کھلا انحراف اور سب سے الگ اپنا ایک نیا مسلک قائم کرنا ہے اور وہ ہے ''مصلحت اندیشی، مداہنت اور صلح کلیت۔''

.........جاری□□□

ص ۴۵/ کا بقیہ.........................

کا صاحب مزار اور اللہ والوں سے استعانت کرنے سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ بت بنانے اور بت پرستی کی مزمت میں ہے، ہندؤں کا مندر جا کر اپنے معبودانِ باطلہ سے مدد مانگنا اور مسلمانوں کا مزار شریف پر حاضر ہو کر صاحب مزار کے واسطے سے رب تعالیٰ سے دعا مانگنے میں بہت فرق ہے کیونکہ ہندوؔ اپنے معبودانِ باطلہ کو حقیقی مدد کرنے والا سمجھ کر مانگتے ہیں جبکہ مسلمان صاحب مزار کو اللہ تعالیٰ کا مظہر اتم اور اللہ کا خاص بندہ سمجھ کر اس کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں۔

مذکورہ سطور سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ مزارات اور مندر میں ہونے والے افعال میں بون بعید ہیں۔ جو اہل حق پر آفتاب نیم روز کی طرح واضح ہے اور اس میں تساوی کا قول کرنا جنون وجہالت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اللہ ہم سبھوں کو حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

□□□

تیسری قسط

از: مفتی سید فیضان رضا حسنی*

علمائے اہل سنت رامپور کی علمی اور دینی خدمات

گزشتہ سے پیوستہ

التعلیق المجلی: محدث سورتی علمی دنیا کی ایک باکمال شخصیت تھے جن کی تمام تصانیف اور شروح وحواشی میں فنِ حدیث کے جوہر بکھرے ہوتے ہیں، مگر خاص طور پر التعلیق المُجلّی علیٰ مُنیۃ المُصلّی میں انہوں نے جس عمدگی سے غیر مقلدین اہلِ حدیث کی حدیث دانی کو پرکھا اور اس کی کمزور بنیادوں کو آشکار کیا ہے، وہ نہایت قابلِ رشک اور قابلِ داد پہلو ہے۔

اس کتاب میں ان کی علمی صلابت اور حدیثی بصیرت اس قدر نمایاں ہے کہ قاری کو دورانِ مطالعہ ہی غیر مقلدین کے افسانوی دعووں کی حقیقت بے نقاب ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، اس کا اسلوب محققانہ، نہایت شائستہ اور پُروقار ہے، جس میں دلیل کی سختی اور بیان کی نرمی دونوں جمع ہیں۔ یہ کتاب اہلِ سنت کے لیے فخر اور غیر مقلدین کے لیے آئینۂ عبرت ہے۔

جامع الشواہد: جب وہابیہ غیر مقلدین اہل حدیث کے سلسلہ میں اہل سنت کی مساجد میں داخلہ کا مسئلہ اٹھا تو مفتی ارشاد حسین رامپوری کے دیرینہ دوست مولانا وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ نے ہی اہل سنت کی مساجد میں وہابیوں کے داخلے پر پابندی اور ان کو مساجدِ اہل سنت سے نکالنے پر تاریخی فتوی "جامع الشواهد في إخراج الوهابيين عن المساجد" کے نام سے تحریر فرمایا جو اکابر علما ہند کے دستخطوں، مہروں کے ساتھ موجود ہے۔ جس کی تائید وحمایت میں تقریباً چھبیس علما رامپور کے بھی دستخط ومہریں ہیں۔ یہ فتویٰ آج بھی مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ حقیقت کا جو متلاشی چاہے مطالعہ کرے۔

محدث سورتی سے "جامع الشواہد" میں "غیر مقلدین اہل حدیث وہابیوں" کے بارے میں یہ تین اہم سوال ہوئے: (۱) یہ گروہ اسلام میں داخل ہیں یا نہیں۔ (۲) اس گروہ کے ساتھ ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا اور ان کو مسجد میں آنے دینا درست ہے یا نہیں۔ (۳) ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ نے ان تینوں سوالات کے جو جوابات تحریر فرمائے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) یہ لوگ اہل سنت و جماعت سے خارج ہیں اور مثل دیگر گمراہ فرقوں (یعنی) رافضی وخارجی وغیرہما کے ہیں۔ (۲) وہابیوں سے مخالطت (ملنا جلنا) اور مجالست (اٹھنا بیٹھنا) کرنا اور ان کو اپنی خوشی سے اپنی مسجد میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے۔ (۳) ان کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔

محدث سورتی کی یہ وہ عظیم تصنیف ہے جس پر صرف مصطفی آباد عرف رامپور کے چھبیس (۲۶) علماء کرام کے دستخط ومہریں ثبت ہیں۔ ان مصدقین ومقرظین میں ایک عظیم نام تو یہی "مفتی ارشاد حسین مجددی رامپوری" کا ہے۔ آپ نے "محدث سورتی کے اس فتویٰ کی تائید میں "فرقہ وہابیہ" (غیر مقلدین اہل حدیث) کے متعلق جس فاروقی تیور اور شانِ حق گوئی کے ساتھ قلم اٹھایا ہے وہ اہلِ حق ہی کا شیوہ ہوسکتا ہے، لکھتے ہیں:

"بلاشبہ یہ فرقہ ضالّہ جس کے عقائدِ فاسدہ اور اعمالِ کاسدہ، مخالفہ فرقہ ناجیہ اہل سنت وجماعت کے مجیب مصیب نے بحوالہ رسائل اور فتاویٰ باطلہ ان کے نقل کیے اور اکثر راقم الحروف کی نظر سے بھی گزرے "مبتدع" (بدعتی) ہے اور اس کے حق میں بھی یہی حکم ہے جو مجیب مصیب نے تحریری کیا ہے۔

(جامع الشواہد، ص ۱۷)

تقریظ ارشادی برانوارِ ساطعہ:

انوارِ ساطعہ در بیانِ مولود وفاتحہ حضرت علامہ حافظ عبد السمیع

* مضمون نگار الجامعۃ الاسلامیہ قدیم گنج، رام پور، یوپی کے ناظم اعلیٰ ہیں۔

سہارنپوری (خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) کی نہایت لطیف اور معرکۃ الآراء تصنیف ہے جو عقائد و معمولاتِ اہلِ سنت والجماعت، خصوصاً میلاد و فاتحہ کے موضوع پر اپنی نوعیت کی منفرد اور بے مثال کاوش ہے۔

اس میں جہاں تفریق بین المسلمین کی تاریخ اور اس کے اسباب وعوامل پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے، وہیں علمِ غیب، مسئلہ حاضر وناظر اور دیگر اہم علمی وفقہی مسائل کی گرہیں بھی نہایت باریک بینی سے کھولی گئی ہیں۔ ان موضوعات پر اگرچہ بے شمار کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں، مگر انوارِ ساطعہ کا طرزِ استدلال، رنگِ تحقیق اور اندازِ نگارش دل کو چھو لینے والا ہے۔

اس کتاب کی ہر سطر میں وہی امتیاز نمایاں ہے جو علمائے حق اور اربابِ فقہ وبصیرت کی تحریروں کا خاصہ ہوتا ہے۔ اس میں علامہ عبدالسمیع نے منکرین کے بے بنیاد اعتراضات کا نہایت شائستہ اور معقول جواب دیا ہے اور الزامی جواب کے ساتھ ساتھ فقہی تحقیق وتدقیق کے گراں قدر مباحث جمع کر دیئے ہیں۔

مزید یہ کہ کتاب پر مفتی ارشاد حسین مجددی کی تقریظِ جلیل اور امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے توصیفی کلمات اس کی قدر و قیمت کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ یوں انوارِ ساطعہ نہ صرف میلاد وفاتحہ کے موقف میں ایک روشن دلیل ہے بلکہ اہلِ سنت وجماعت کے علمی وتحقیقی میراث کا بھی درخشاں آئینہ ہے۔ یہ کتاب آج بھی اہلِ سنت کے لیے ایک علمی سرمایہ اور مخالفین کے لیے دلیلِ عبرت کے طور پر دیکھی جاتی ہے۔

تقریظِ ارشادی براغلاطِ قاسمیہ

کتاب ''ابطالِ اغلاطِ قاسمیہ'' دراصل یہ بھی ایک تاریخی و علمی فتویٰ ہے جو اس وقت مولوی قاسم نانوتوی کے بعض اقوالِ باطلہ کے رد میں مرتب ہوا تھا۔ اس کی بنیاد ایسے پڑی کہ دہلی کی جامع مسجد میں علامہ فضل حق چشتی خیرآبادی علیہ الرحمہ اور مولوی اسماعیل دہلوی کے درمیان ''کذبِ باری تعالیٰ'' اور مثل ونظیر جنابِ خاتم النبیین'' پر تنازع ہو گیا تھا۔ علامہ فضل حق خیرآبادی کا موقف تھا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھوٹ بولنا محال ہے اور محال تحتِ قدرت نہیں ہوتا۔ اسماعیل دہلوی کا موقف تھا کہ کذبِ باری تعالیٰ ممکن ہے۔ دوسرا علامہ فضل حق کا موقف تھا کہ حضور ﷺ کا مثل ونظیر محال ہے اور اسماعیل دہلوی کا موقف تھا کہ حضور ﷺ کا مثل ونظیر ممکن ہے۔

بعد ازاں مولوی امیر حسن سہسوانی اور پھر قاسم نانوتوی نے وہابی تحریک کو مہیا کرنے کے لیے ان متنازعہ عقائد کو مزید آگے بڑھایا، یہاں تک کہ قاسم نانوتوی نے ''خاتم النبیین'' کے معنیٰ ''آخر النبیین'' کے بجائے ''اصل النبیین'' گڑھے اور کہا کہ اگر ہزاروں انبیاء بھی حضور ﷺ کے بعد آجائیں تو آیت کے مخالف نہیں اور یہ نظریہ دہلی میں مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی محمد شاہ صاحب پنجابی کے درمیان مناظرے کا سبب بنا۔

مناظرہ کے بعد جب نتیجہ سامنے آیا تو دونوں طرف کے متبعین نے اپنے اپنے مناظر کو غالب قرار دیا۔ اس دعوے اور جوابی دعوے نے صورتِ حال کو مزید پیچیدہ بنا دیا اور شدید اختلافات پیدا ہو گیا۔ بلادِ ہند، خصوصاً دہلی کی پُرامن مذہبی فضا اس مناظرے کے بعد گویا دو دعووں سے مکدّر ہو گئی۔ ہر طرف اپنے اپنے مناظر کی فتح کے ترانے تھے، مگر لوگ وہابی تحریک کے نمائندگان کی اس حقیقت سے بے خبر تھے جو برصغیر کے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کی شکل میں پیدا ہو چکی تھی۔

تقسیم وتفریق کو روکنے کی ایک کوشش: اس خلجان کو دور کرنے کے لیے مولوی عبدالغفار لکھنوی کانپوری نے ایک استفتا مرتب کیا، جس میں فریقین کے اقوال درج کر کے اکابر علماء دہلی، رامپور، لکھنؤ، بدایوں اور ممبئی کو ارسال کیا۔ جواب میں تمام بلادِ ہند کے علما نے بیک زبان مولوی قاسم نانوتوی صاحب کے اقوال کو باطل وقبیح قرار دیا اور مولوی محمد شاہ صاحب پنجابی کے موقف کی تصدیق کی۔ یہ فتویٰ تاریخ میں ''ابطالِ اغلاطِ قاسمیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

مصدقین ومؤیدین: اس فتویٰ کی تصدیق وتائید کرنے والے اکابر میں ''مفتی ارشاد حسین مجددی رامپوری ودیگر علمائے رامپور، اکابر علمائے دہلی، علمائے لکھنؤ، علمائے بدایوں اور علمائے

ممبئ ہیں۔ یہ فتویٰ نہ صرف دیو بندی فکر کے رد میں تحریر ہوا بلکہ غیر مقلدین اہلِ حدیث کے خلاف بھی سدّ سکندری ثابت ہوا کیوں کہ وہ بھی دیابنہ کے باطل نظریات میں ان کے شانہ بشانہ ہیں۔اس سے اہلِ سنت و جماعت کا متفقہ عقیدہ واضح ہوا کہ: کذبِ باری محال ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مثل ونظیر ممتنع ہے۔"خاتم النبیین" کے معنی آخری نبی ہیں اوراس میں کسی تاویل یا تحریف کی گنجائش نہیں۔

(۳) ابولذکاء،سراج الفقہاء،سراج الدین،مفتی شاہ سید محمد سلامت اللہ نقشبندی مجددی رامپوری علیہ الرحمہ جو تلمیذ وخلیفہ ہیں حضرت مفتی ارشاد حسین علیہ الرحمہ کے،آپ کا شمار برصغیر کے اُن ممتاز اہل علم میں ہوتا ہے جنہوں نے تیرہویں صدی ہجری میں دینی علوم،فقہی بصیرت اور روحانی تربیت کے میدان میں اپنی نمایاں خدمات انجام دیں۔آپ تفسیر،حدیث اور فقہ میں گہری بصیرت و دسترس رکھتے تھے۔آپ صاحب تصانیفِ کثیرہ تھے۔ آپ کی مطبوع وغیر مطبوع تقریباً سو(۱۰۰) کے قریب تصنیفات ہیں۔عربی،فارسی اور اردو تقریباً تینوں ہی زبانوں میں آپ کی نگارشات ہیں البتہ علاقہ میں کثیر الاستعمال ہونے کی وجہ سے اردو میں زیادہ ہیں۔ان میں وہ تصنیفات جو آپ نے فرقِ باطلہ(وہابی، دیوبندی،غیر مقلد اہل حدیث) کے رد میں لکھیں درج ذیل ہیں:

(۱) التحفة المنصفية و الهدية الأحمدية فی أدلة سماع الموتی وحياتهم السرمدية۔ یہ بھی ایک تحقیقی رسالہ ہے جس میں دونہایت اہم مسائل پر دلائل فراہم کیے گئے ہیں:

پہلا:سِماعِ موتی(مُردوں کا سننا):جس میں قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ وتابعین سے ثابت کیا گیا ہے کہ عام مردے،زندوں کو دیکھتے اوران کا کلام سُنتے سمجھتے ہیں۔پھر اولیا اور انبیا کی شان تو بہت ہی ارفع واعلیٰ ہے۔یہ عقیدہ اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک ثابت شدہ ہے اوراس کے دلائل اس رسالے میں نہایت مدلل انداز میں جمع کیے گئے ہیں۔دوسرا:حیاتِ انبیاء علیہم السلام بعد الوفات: کتاب میں واضح کیا گیا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور میں (حیاتِ حسی حقیقی دنیوی کے ساتھ) زندہ ہیں، یہ مسئلہ اہل سنت کے متفقہ عقائد میں سے ہے اوراس پر متعدد نصوصِ شرعیہ پیش کی گئی ہیں۔

یہاں یہ خیال رہے کہ انبیائے کرام اوراولیائے عظام کے بعد وفات سننے، دیکھنے اور تصرف کرنے کے متعلق تمام اسلامی فرقے اسی پر متفق ہیں کہ وہ حضرات بعد وفات سنتے، دیکھتے اور عالم میں تصرف کرتے ہیں کیونکہ انبیاء کرام دنیوی حقیقی حیات سے زندہ ہیں اور حضرات اولیا بہ حیات اخروی معنوی زندہ ہیں۔ (اشعۃ اللمعات) عام مردوں کے سننے کے متعلق علمائے اسلام کی تین جماعتیں ہیں:ایک جماعت کہتی ہے کہ عام مردے کبھی نہیں سنتے۔حضرت عائشہ صدیقہ بھی پہلے یہی فرماتی تھیں مگر بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرلیا اور سماع موتی کی قائل ہوں گئیں۔(اشعۃ اللمعات) دوسری جماعت کہتی ہے کہ مردے عام حالات میں تو نہیں سنتے مگر خاص وقتوں میں سنتے ہیں جیسے بعد دفن، کہ دفن کرنے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتے ہیں یا حضور کے اس فرمان کے وقت مقتولین میں زندگی پیدا کی گئی جس سے انہوں نے حضور کا فرمان سنا۔یہ قول حضرت قتادہ کا ہے جیسا کہ یہاں مذکور ہوا۔تیسری جماعت کا قول ہے کہ عام مردے بھی ہر وقت سنتے ،زائرین کو دیکھتے، پہنچانتے ہیں۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۵،ص ۸۶۰)

(۲) عمدة الفائحة فی أدلة جواز العرس والفاتحة۔ یہ کتاب شاہ سلامت اللہ صاحب کی نہایت اہم اور جلیل القدر تصنیف ہے۔اس کتاب میں شاہ صاحب نے عرس وفاتحہ کے جواز واستحسان پر قرآنِ کریم کی آیات،احادیثِ صحیحہ،آثارِ صحابہ، اقوالِ مفسرین ومحدثین اور فقہا کے بیانات سے تقریباً ڈھائی سو (۲۵۰) دلائل تحریر فرمائے ہیں۔دلائل نہایت منظم اور مدلل انداز میں پیش کیے گئے ہیں،جس سے یہ رسالہ اہلِ سنت وجماعت کے معمولات کا ایک مضبوط علمی وتحقیقی دفاع بن گیا۔اس میں نہ صرف جواز واستحسان بیان کیا گیا ہے بلکہ ان اعمال کے فوائد ومنافع بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

پھر اس کتاب پر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

اسلاف واخلاف

علیہ الرحمہ کی ایک شاندار تقریظ وتصدیق موجود ہے۔ جواس کتاب کی علمی ودینی حیثیت کو مزید بلند کرتی ہے اور اسے اہلِ سنت کے ذخیرے میں ایک معتبر حوالہ بناتی ہے۔

یہ کتاب ان اعتراضات کا مدلل جواب ہے جو بعض منکرین نے عرس وفاتحہ کے خلاف کئے۔ شاہ صاحب نے واضح کیا کہ عرس وفاتحہ نہ صرف جائز بلکہ ایک مستحسن عمل ہے اور اس پر قرآن وسنت اور اقوالِ اکابر سے مضبوط دلائل آراستہ کئے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اہلِ سنت وجماعت کے اکابر نے ہمیشہ اپنے معمولات کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا اور منکرین کا علمی انداز میں رد کیا۔ یہ رسالہ آج بھی اہلِ سنت کے لیے ایک مستند علمی سرمایہ ہے۔

(۳) براهين لائحة (ضمیمہ عمدۃ الفائحۃ)۔ یہ رسالہ بھی شاہ صاحب کا ہے جو دراصل کتاب عمدة الفائحة فى أدلة جواز العرس و الفاتحة کا ضمیمہ ہے۔ اس رسالے میں شاہ صاحب نے عرس وفاتحہ کے جواز واستحسان پر مزید دلائل جمع کیے جن کی کل تعداد: آٹھ سو چھیاسٹھ (۸۶۶) ہے۔ دلائل کے ماخذ: آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، آثارِ صحابہ وتابعین، اقوالِ مفسرین ومحدثین، فقہاء کے فتاوی، اولیاء کرام کے ارشادات، ائمہ سلف وخلف کی عبارات ہیں۔

یہ رسالہ اس بات کا ثبوت ہے کہ شاہ سلامت اللہ صاحب نے نہ صرف عرس وفاتحہ کے جواز پر کوئی رسمی کتاب لکھی بلکہ بے شمار دلائل کی فراہمی سے ہر شبہ اور اعتراض کی گنجائش بھی ختم کردی۔ اس طرح یہ رسالہ بھی منکرینِ عرس وفاتحہ کے اعتراضات کا دندان شکن جواب ہے۔ اس کے ذریعہ اہل سنت وجماعت کے معمولات کو مضبوط علمی بنیاد فراہم کی گئی۔ یوں براہین لائحہ کو عمدۃ الفائحۃ کا تکملہ اور مزید دلائل کا خزانہ بھی کہا جاسکتا ہے، جو اہل سنت کے معمولاتِ عرس وفاتحہ کے حق میں ایک ناقابلِ تردید دستاویز ہے۔

(۴) رسالہ گیارہیں شریف۔ اس کتاب میں شاہ صاحب نے ایک سو بیس (۱۲۰) دلائل آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویہ، اقوالِ مفسرین، محدثین، فقہا، ارشاداتِ اولیا اور عباراتِ ائمہ سلف وخلف سے ''گیارہویں'' کا ثبوت پیش کیا ہے اور منکرینِ گیارہویں کو دنداں شکن جواب دیا ہے۔

اس کتاب میں شاہ صاحب نے جہاں گیارہویں شریف کے جواز واستحسان کے دلائل، اس کے فوائد ومنافع اور اولیائے کرام کی وصالی تقریبات میں ہونے والے ذبیحہ کی حِلّت پیش کی ہے اور یہ بات نہایت قابلِ توجہ ہے کہ وہیں آپ نے اُن لوگوں کو کافر ومرتد بھی لکھا ہے جو گیارہویں شریف کرنے والے مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں یعنی مسلمانوں کو کافر ومشرک کہتے ہیں اور فاتحہ والے ذبیحہ کی حُرمت (حرام ہونے) کے قائل ہیں اور اُسے مُردار اور خنزیر کا گوشت بتاتے ہیں۔

اب یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہمارے شہر رامپور کے اندر جو عرصہ دراز سے یہ پروپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ علمائے رامپور نے کسی کی تکفیر نہیں کی ہے، حالانکہ اس پروپیگنڈے کا عملی جواب ''الصوارم الهندية'' کی اشاعت کے ذریعہ بہت پہلے دیا جاچکا ہے جس میں علمائے رامپور (بدر العلماء مفتی محمد نور الحسین فاروقی مجددی رامپوری بن شمس العلماء مفتی محمد ظہور الحسین فاروقی مجددی رامپوری، مولانا معوان حسین فاروقی مجددی رامپوری بن مفتی ارشاد حسین فاروقی مجددی رامپوری، مولانا شجاعت علی تلمیذ مفتی ارشاد حسین رامپوری ومدرس مدرسہ ارشاد العلوم رامپور، مولانا عبد اللہ بہاری مدرس مدرسہ ارشاد العلوم رامپور، مولانا محمد عبد الغفار، مولانا محمد عمر قادری بن مولانا ہدایت الرسول) نے ''حُسام الحرمین'' کی تصدیق وتائید فرمائی ہے۔

مزید یہ کہ شاہ سلامت اللہ صاحب کا یہ رسالہ ''گیارہویں شریف'' بھی اِس غلط دعویٰ کا کھلا ہوا رد ہے۔ ساتھ ہی اس کتاب پر بہت سے علمائے رامپور کی تصدیقات بھی ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علمائے رامپور کا مسلک حق بھی یہی تھا کہ اگر کوئی کلمہ گو ہوکر کفر بکے، خدا اور رسول کی شان میں اہانت کا مرتکب ہو یا ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا منکر ہو تو ضرور اس کی تکفیر کی جائے گی۔ کیوں کہ ایمان وعقیدہ کوئی ایسی سستی چیز نہیں ہے کہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد کوئی جتنا بقیہ ص ۲۳ پر

حضور حجۃ الاسلام کا علمی مقام

از: محمد انس رضا حامی برکاتی*

شہزادۂ امامِ اہلِ سنت، حضور حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی شاہ محمد حامد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار علوم وفنون میں مہارت عطا فرمائی۔ حجۃ الاسلام نے اپنے والد گرامی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے پوری زندگی دینِ اسلام کی خدمت اور اصلاحِ امت میں صرف فرمائی۔ علمی عظمت، روحانی وجاہت اور دینی خدمات کے اعتراف میں اہلِ علم نے آپ کو سلطان العلماء والمحققین، تاج العرفاء والکاملین اور حجۃ الاسلام جیسے جلیل القدر القاب سے نوازا، حضور حجۃ الاسلام کے بحرِ علم کی وسعت کا اندازہ درج ذیل چند جھلکیوں سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

درس وتدریس

حضور حجۃ الاسلام نے ابتدائی علمی استفادہ اپنے والد گرامی، امام احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا۔ دورانِ درس آپ کے بعض علمی سوالات ایسے دقیق اور دل نشین ہوتے کہ حضور اعلیٰ حضرت ان کے جواب تحریر فرماتے ہوئے "قال الولد الأعز" کے الفاظ لکھ کر سوال و جواب کو محفوظ فرما دیتے۔ مدینہ منورہ میں علامہ عبد القادر طرابلسی شامی سے ہونے والی علمی گفتگو کا ذکر بھی سرکار اعلیٰ حضرت نے اپنے ملفوظات میں خود فرمایا ہے۔

سن ۱۳۲۳ھ میں حضور اعلیٰ حضرت کے دوسرے تاریخی حج کے موقع پر جب حضور حجۃ الاسلام پہلی مرتبہ ان کے ہمراہ حرمین شریفین کی حاضری سے مشرف ہوئے تو مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں شیخ العُلیٰ علامہ محمد سعید اور علامہ سید احمد برزنجی کے حلقۂ درس میں شریک رہے۔ اس سفر کے دوران متعدد اکابر علما نے انہیں اسنادِ علم سے نوازا، جبکہ علامہ خلیل خربوطی نے فقہ حنفی کی وہ سند عطا فرمائی جو انہیں علامہ سید طحطاوی سے صرف دو واسطوں کے ذریعہ حاصل ہوئی تھی، سبحان اللہ تعالیٰ! بعد ازاں حجۃ الاسلام کے تلامذہ کو خود سرکار اعلیٰ حضرت نے اسناد عطا فرمائیں۔ آپ نے دار العلوم منظرِ اسلام، بریلی شریف میں صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ بالخصوص تفسیر بیضاوی شریف کے درس میں آپ کو ایسا امتیاز حاصل تھا کہ اس فن میں آپ کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا تھا۔

حضور حجۃ الاسلام بحیثیت معلم

حضور حجۃ الاسلام کو تدریس کے میدان میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ درس و تدریس کے طریقوں پر آپ کی گہری گرفت اور مختلف علوم پر کامل عبور نے آپ کو ایک ممتاز معلم کی حیثیت عطا کی تھی۔ ایک موقع پر دار العلوم منظرِ اسلام، بریلی شریف کے چند اہم اساتذہ نے تدریسی خدمات سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس صورتِ حال میں حضور حجۃ الاسلام نے کسی پریشانی کا اظہار کرنے کے بجائے خود تمام اہم فنون وعلوم کی کتابوں کا درس اپنے ذمہ لے لیا۔ آپ کی علمی وسعت اور تدریسی صلاحیت کا یہ عالم تھا کہ ہر کتاب نہایت عمدہ انداز میں پڑھائی، جس کے نتیجے میں یہ تأثر خود بخود ختم ہو گیا کہ ان اساتذہ کے بغیر ادارہ اپنی علمی حیثیت برقرار نہیں رکھ سکے گا یا طلبہ منتشر ہو جائیں گے۔ بلکہ اس کے برعکس، آپ کی تدریسی قابلیت کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، جس کے اثر سے متعدد با صلاحیت طلبہ نے دار العلوم منظر اسلام میں داخلہ لے کر اس کے علمی حلقے کو مزید وسیع کیا۔

حق کے معاملے میں غیر متزلزل استقامت

حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ العزیز نے دینی اصولوں پر کبھی مصلحت کو ترجیح نہیں دی۔ جب مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی بعض سیاسی سرگرمیوں اور تحریروں کے باعث سیدنا امام احمد

* مضمون نگار جامعۃ الرضا، بریلی شریف، یوپی کے طالب علم ہیں۔

رضانے ان کے متعلق شرعی فتویٰ صادر فرمایا، تو سیدی حجۃ الاسلام نے بھی اس فیصلے کو پوری ثابت قدمی کے ساتھ اختیار کیے رکھا۔ پھر حرمین شریفین کے قبہ جات کی مسماری اور وہاں ہونے والی بے حرمتی کے خلاف لکھنؤ میں ایک عظیم اجتماع منعقد کیا گیا، جس کا اہتمام مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے کیا تھا۔ اس موقع پر جماعت رضائے مصطفیٰ کی نمائندگی کرتے ہوئے سیدی حجۃ الاسلام چند ممتاز علما کے ہمراہ اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔

کانفرنس کے شرکا نے نہایت گرمجوشی سے آپ کا خیر مقدم کیا۔ مولانا عبدالباری بھی احتراماً مصافحہ کے لیے آگے بڑھے، مگر سیدی حجۃ الاسلام نے نہایت وضاحت کے ساتھ اپنا موقف بیان کرتے ہوئے فرمایا: جب تک سیدی امام احمد رضا کا فتویٰ برقرار ہے اور اس کے مطابق رجوع و توبہ نہیں کی جاتی، اس وقت تک مصافحہ کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔

اس بے لاگ طرزِ عمل نے مولانا عبدالباری کے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ وہ، جنہیں ”صوت الایمان“ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، بالآخر برملا اپنی سابقہ روش سے رجوع کر گئے۔ انہوں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی ہی اصل حقیقت ہے، اس لیے وہ اخلاص کے ساتھ توبہ کرتے ہیں اور یہ بھی اعلان کیا کہ سیدی امام احمد رضا نے ان کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا، وہ حق اور درست ہے۔

علمی مقام کا ایک روشن پہلو

حضور حجۃ الاسلام کے علمی رسوخ کا اعتراف برصغیر کے بڑے علمی مراکز بھی کرتے تھے۔ اسی بنا پر دارالعلوم معینیہ، اجمیر معلیٰ کی انتظامیہ نے آپ کو طلبہ کے امتحان لینے اور ادارے کے تعلیمی نظام کا جائزہ لینے کی دعوت دی۔ امتحان اور معائنہ مکمل ہونے کے بعد دارالعلوم کے مہتمم مولانا معین الدین اجمیری نے خواہش ظاہر کی کہ آپ اپنے تأثرات تحریری صورت میں بھی قلم بند فرما دیں۔ اس پر سیدنا سرکار حجۃ الاسلام نے فرمایا کہ وہ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں لکھ سکتے ہیں، اس لیے جس زبان میں مناسب سمجھا جائے، اسی میں رپورٹ تحریر کر دیں گے۔ مولانا معین الدین نے عربی زبان کا انتخاب کیا، حالانکہ اس وقت تک وہ سیدی حجۃ الاسلام کے علمی مرتبے سے پوری طرح واقف نہ تھے۔

یہ سنتے ہی حضور حجۃ الاسلام نے بارگاہِ سلطان الہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کسی تیاری یا مسودے کے بغیر نہایت فصیح و بلیغ عربی میں کئی صفحات پر مشتمل معائنہ تحریر فرما دیا۔ اس دوران مولانا معین الدین حیرت سے یہ منظر دیکھتے رہے۔ انہیں اپنی عربی پر خاص اعتماد تھا، لیکن یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ اس تحریر میں کس درجے کی علمی و ادبی زبان استعمال کی جا رہی ہے۔ بعد ازاں جب اس تحریر کا مفہوم سمجھنے کے لیے اسے پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی عبارت عام عربی سے کہیں زیادہ دقیق ہے۔ لغات میں معانی کی جستجو جاری رہی۔ بہت بعد میں عربی علماء کی تصانیف اور ان کی زبان سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد ان مشکل تعبیرات کی حقیقت واضح ہوئی، جس سے حضور حجۃ الاسلام کی عربی دانی اور غیر معمولی علمی استعداد کا اندازہ ہوتا ہے۔

سیاسی جلسے میں علمی برتری کا مظاہرہ

بریلی شریف میں ایک موقع پر خلافتی تحریک سے وابستہ افراد اور سیاسی حلقوں کی جانب سے ایک بڑا جلسہ منعقد کیا گیا، جس میں مختلف مکاتبِ فکر کے علما کو بھی مدعو کیا گیا۔ چند علمائے اہلِ سنت بھی اس اجتماع میں شریک تھے اور سیاسی رہنماؤں کے ساتھ اسٹیج پر موجود تھے۔ دورانِ جلسہ علمی مناظرے کی تجویز سامنے آئی۔ مخالف فریق کو ابوالکلام آزاد کی خطابت، حاضر جوابی اور عربی دانی پر غیر معمولی اعتماد تھا، اس لیے اسے اپنی نمائندگی کے لیے پیش کیا گیا۔ دوسری جانب اہلِ سنت کی طرف سے علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے سربراہ حضرت علامہ سید سلیمان اشرف بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو مناظر مقرر کیا گیا، جبکہ حضور حجۃ الاسلام پورے وفد کی سرپرستی اور رہنمائی فرما رہے تھے۔

مناظرے کا آغاز ہوتے ہی علامہ سلیمان اشرف نے نہایت مضبوط علمی انداز میں یکے بعد دیگرے سوالات پیش کیے، اور سیدی حجۃ الاسلام وقتاً فوقتاً ان کی رہنمائی بھی فرماتے رہے۔

ان مدلل سوالات کے سامنے ابوالکلام آزاد اور اس کے رفقا خاموش ہوکر رہ گئے۔ جب حضرت سید سلیمان اشرف نے اپنی تقریر شروع کی تو ابوالکلام آزاد کی جانب سے کوئی مؤثر جواب سامنے نہ آسکا۔ حاضرین اس غیر متوقع صورتِ حال کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جس شخصیت کی زبان آوری کے بڑے چرچے تھے، وہ اس موقع پر خاموش کیوں ہے۔

اسی سلسلے میں ایک مرتبہ ابوالکلام آزاد نے عربی زبان میں مناظرے کا مطالبہ کیا۔ حضور حجۃ الاسلام نے فوراً اس تجویز کو قبول کرتے ہوئے صرف ایک شرط عائد فرمائی کہ مناظرے کے آغاز سے اختتام تک گفتگو اور استدلال مکمل طور پر عربی زبان ہی میں ہوگا اور ایک جگہ یہ بھی آیا ہے کہ عربی کے ساتھ بات نثر نہیں بلکہ نظم کی صورت میں ہوگی۔ یہ شرط سنتے ہی ابوالکلام آزاد نے مناظرے سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اس معاملے کو آگے نہ بڑھایا۔ اس سے معلوم چلتا ہے کہ حضور حجۃ الاسلام کو عربی میں کتنی زبردست مہارت حاصل تھی۔

تحفظ شریعت میں بے باک کردار

مسلمانوں کے عائلی قوانین، خصوصاً نکاح وطلاق سے متعلق مجوزہ قانون پر غور کے لیے لکھنؤ میں ایک اہم کانفرنس منعقد ہوئی۔ بریلی شریف سے سیدی حجۃ الاسلام، حضور صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مولانا تقدس علی خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس اجتماع میں شرکت فرمائی۔

کانفرنس میں مختلف مکاتبِ فکر کے نمائندہ علما اور اہلِ علم شریک تھے۔ ان میں شیعہ اور ندوی علما کے علاوہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سلیمان اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے داماد و بھتیجے عبدالوالی بھی موجود تھے۔ اس علمی نشست میں جب مختلف آراء پیش کی گئیں تو سیدی حجۃ الاسلام نے مضبوط دلائل اور مدلل گفتگو کے ذریعے ہر اعتراض کا جواب دیا۔ آپ کے استدلال کی قوت کے باعث مخالف نقطۂ نظر برقرار نہ رہ سکا اور آخر کار فیصلہ آپ ہی کے مؤقف کے مطابق ہوا۔

دینِ اسلام، شریعت مصطفوی اور ناموسِ رسالت کے تحفظ کا معاملہ ہو تو شہزادۂ حضور اعلیٰ حضرت سرکار حجۃ الاسلام قدس سرہ العزیز نے ہمیشہ بے لاگ (بے جھجک) انداز اختیار فرمایا۔ حق بات کہنے میں نہ کسی دباؤ کو خاطر میں لائے اور نہ کسی مصلحت کو اپنے موقف پر غالب آنے دیا۔

عربی زبان پر غیر معمولی دسترس

حضور حجۃ الاسلام کو عربی زبان و ادب پر ایسی گہری مہارت حاصل تھی کہ عربی علما بھی اس کے معترف تھے۔ آپ کی فصاحت، بلاغت اور علمی استعداد کا اعتراف صرف برصغیر تک محدود نہ رہا بلکہ حجاز کے اہلِ علم نے بھی کھلے الفاظ میں اس کی تحسین کی۔

سن ۱۳۴۲ھ میں دوسرے سفرِ حج کے دوران عرب کے ممتاز علما، شیخ سید حسن دباغ اور سید محمد مالکی ترکی نے آپ کی عربی دانی کو سراہتے ہوئے اظہار کیا کہ انہوں نے پورے ہندوستان میں حضور سیدی حجۃ الاسلام جیسا فصیح و بلیغ عالم نہیں دیکھا، جسے عربی زبان پر اس درجے کا عبور حاصل ہو۔

آپ کی عربی نویسی کا ایک نمایاں واقعہ یہ بھی ہے کہ حضرت مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی نے اپنی ایک تصنیف، جو مسئلۂ علم غیب پر لکھی گئی تھی، اس پر تقریظ لکھنے کی درخواست کی۔ سیدی حجۃ الاسلام نے کسی پیشگی تیاری کے بغیر اسی وقت نہایت جامع اور بلیغ عربی میں ایک مفصل تقریظ قلم بند فرما دی۔ اسی طرح جب سلطانِ شعر و سخن، امامِ علم و فن حضور سیدی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عربی تصانیف "الدولۃ المکیۃ" اور "کفل الفقیہ الفاہم" کی اشاعت کا مرحلہ آیا تو ان کے ارشاد پر سیدی حجۃ الاسلام نے فوراً عربی زبان میں ان کی تمہیدات تحریر کر دیں۔ ان علمی مقدمات کو دیکھ کر سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت بے حد مسرور ہوئے، آپ کی علمی صلاحیت کی بھرپور تحسین فرمائی اور اپنے خصوصی دعاؤں سے نوازا۔ [ماخوذ از حجۃ الاسلام وغیرہ]

تصانیف

کسی ذات کا علمی مقام اس کی لکھی کتابوں سے بھی ہوتا ہے۔ حضور حجۃ الاسلام نے بھی اپنا مبارک قلم چلایا اور دینِ حق کی خدمات انجام دیں۔ کہیں اس قلم سے ایسے فتاوی تحریر فرمائے

کہ دشمنانِ اسلام کفار و بدمذہباں کے درمیان زلزلہ آ گیا، کبھی اپنے قلم سے دقیق مسائل کو بھی بخوبی حل فرمایا۔ چند مشہور تصانیف وتالیفات یہ ہیں:

[۱] فتاویٰ حامدیہ [۲] الصارم الربانی علی اسراف القادیانی (۱۳۱۵ھ) [۳] نعتیہ دیوان (بیاضِ پاک) [٤] تمہید اور ترجمہ الدولیۃ المکیۃ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ [٥] تمہید الاجازت المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۰۶ء [٦] تمہید کفل الفقیہ الفاہم ۱۳۴۰ھ [۷] تاریخی نام، خطبہ الوظیفۃ الکریمہ ۱۳۳۸ [۸] سد الفرار [۹] سلامۃ اللہ لاہل السنۃ من سبیل العناد والفتنۃ ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ [۱۰] حاشیہ ملا جلال [۱۱] کنز المصلی پر حاشیہ ۱۳۳۲ھ / ۱۹۰۵ [۱۲] اجلی انوار الرضا ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۵ء [۱۳] آثار المبتدعین لہدم حبل اللہ المتین [۱٤] وقایہ اہل سنت۔

ادارتی نوٹ: اس کے علاوہ حضور حجۃ الاسلام کی تصنیفات میں (۱۵) فائحۃ الریاحین بطیب آثار الصالحین اور (۱٦) منح القدیر الحی فی اجابۃ سؤل الی ثم الحی، جیسی معرکۃ الآرا کتب بھی ہیں۔ (فاروقی)

الصارم الربانی علی اسراف القادیانی: قادیانیت کے فتنہ کے خلاف ابتدائی اور مؤثر علمی اقدام میں حضور حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ فتویٰ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اُس وقت مرزا غلام احمد قادیانی زندہ تھا اور اپنے باطل دعوؤں کی اشاعت میں مصروف تھا، مگر صرف ۲۳ برس کی عمر میں حضور حجۃ الاسلام نے اس کے گمراہ کن نظریات کا مدلل رد فرمایا۔ ایک سوال کے جواب میں دیا گیا فتویٰ "الصارم الربانی علی اِسراف القادیانی" کے نام سے کتابی صورت میں منظرِ عام پر آیا۔

یہ فتویٰ علمی تحقیق اور قوتِ استدلال کا ایسا شاہکار ہے کہ اس کی قدر و منزلت پر روشنی ڈالتے ہوئے خود سیدی اعلیٰ حضرت، ارشاد فرماتے ہیں: "فقیر کو بھی اس دعویٰ سے اتفاق ہے، مرزا کے مسیح و مثلِ مسیح ہونے میں اصلاً شک نہیں مگر لا واللہ نہ مسیح کلمہ اللہ علیہ صلوٰۃ اللہ بلکہ مسیح دجال علیہ اللعن والنکال، پہلے اس ادعائے کاذب کی نسبت سہارن پور سے سوال آیا تھا جس کا ایک مبسوط جواب ولد اعز فاضل نوجوان مولوی حامد رضا خاں محمد حفظہ اللہ تعالیٰ نے لکھا اور بنام تاریخی "الصارم الربانی علی اسراف القادیانی" مسمّٰی کیا، یہ رسالہ حامیٔ سنن، ماحیٔ فتن، ندوہ شکن، ندوی فگن۔"

[فتاویٰ رضویہ]

ظلمت جہل میں روشن ہوا فتویٰ تیـرا
برق کے مثل چلا کفر پہ خامہ تیـرا
تشنگی علم کی ہر پیاسا بجھا لیتا ہے
علم و حکمت کا سدا جاری ہے دریا تیـرا

(انس حامی)

فنِ شاعری میں امتیاز

حضور حجۃ الاسلام کو جس طرح مختلف علوم و فنون میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی، اسی طرح فن شاعری میں بھی آپ کا ایک منفرد مقام تھا۔ آپ نے نہایت دقیق اور مشکل بحور میں ایسا پُر معارف کلام تحریر فرمایا کہ اہلِ ذوق آج بھی اس کی فکری گہرائی اور فنی لطافت پر حیران رہ جاتے ہیں۔ آپ کے ہر شعر میں معانی کی وسعت، فکر کی بلندی، عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی حرارت اور اخلاص وللّٰہیت کی ایسی شان نمایاں ہوتی ہے جو آپ کے کلام کو منفرد بنا دیتی ہے۔ آپ کا شعری سرمایہ ایک حادثے میں جل کر ضائع ہو گیا۔ کسی نے افسوس کے ساتھ عرض کیا:

"حضور! آپ کا دیوان جل گیا۔" آپ نے نہایت بے نیازی سے فرمایا: "جس ذات کی رضا کے لیے یہ اشعار لکھے تھے، اگر اس کی بارگاہ میں مقبول ہو گئے تو یہی میری کامیابی ہے اور اگر قبول نہ ہوئے تو پھر ان کا جل جانا ہی بہتر ہے۔" یہ جواب آپ کے اخلاص، بے نفسی اور رضائے الٰہی کو ہر چیز پر مقدم رکھنے کا روشن ثبوت ہے۔ چند کلام جو محفوظ رہے ان کا مجموعہ بنام "بیاضِ پاک" امت کو ملا۔ چند اشعار کی معنوی گہرائی ملاحظہ ہو: [۱]

خدا کہتے نہیں بنتی، جدا کہتے نہیں بنتی
خدا پر اس کو چھوڑا ہے، وہی جانے کہ کیا تم ہو

پہلے مصرع کی معنوی جہت" خدا کہتے نہیں بنتی، جدا کہتے

نہیں بنتی" یہ مصرع اللہ تعالیٰ کی اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کی طرف نہایت لطیف اشارہ کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ [آل عمران—۳۱] اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

نیز خالق دو جہاں عزوجل نے ارشاد فرمایا: أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُولَ ۔ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معراج کی رات ایسا قرب عطا فرمایا کہ درمیان کسی حجاب کا تصور بھی باقی نہ رہا۔

اسی محبت کی ایک جھلک حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ادب میں بھی نمایاں ہوتی ہے کہ انہوں نے وجہ تخلیقِ کائنات، فخر موجودات حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس انگوٹھی پر اللہ تعالیٰ کے اسمِ مبارک کو اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمِ اقدس سے جدا کر کے لکھنا پسند نہ فرمایا، پس اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یارِ غار کے مبارک نام کو پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے جدا نہیں فرمایا۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کس قدر محبت فرماتا ہے۔ البتہ آقا کریم علیہ افضل الصلوات و اکرم التسلیم کو "خدا" کہنا ہرگز جائز نہیں، کیونکہ خود رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، مالک اور معبودِ برحق ہے۔ تاہم محبت کا یہ عالم ہے کہ جہاں ربِ کریم کا ذکر آتا ہے، وہاں عاشق کا دل بے اختیار حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کی طرف بھی مائل ہو جاتا ہے۔ پس خدا کہا نہیں جا سکتا اور جدا کیا نہیں جا سکتا۔

دوسرے مصرع کی معنوی جہت" خدا پر اس کو چھوڑا ہے، وہی جانے کہ کیا تم ہو" اس مصرع میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ رسولِ اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقیقی مقام و مرتبہ کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ مخلوق تاجدارِ کون و مکاں، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا کامل احاطہ نہیں کر سکتی۔ صحیح بخاری شریف میں صومِ وصال کے متعلق حدیثِ مبارکہ ہے:

"نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ وَأَيُّكُمْ مِثْلِي إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَ يَسْقِيْنِ ۔ حبیبِ کبریا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلسل کئی دن تک افطار کیے بغیر روزہ رکھنے (صومِ وصال) سے منع فرمایا۔ اس پر ایک صحابی عرض گزار ہوئے: یا رسولَ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! آپ صوم میں وصال فرماتے ہیں۔ نبیٔ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کون میرے مثل ہو سکتا ہے؟ میں رات اس حال میں گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔" (صحیح البخاری، کتاب الصوم)

یہ ایسا مقام ہے جس کی حقیقت انسانی عقل کی رسائی سے باہر ہے۔ صلحِ حدیبیہ میں:

" عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ عَطِشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ يَدَيْهِ رِكْوَةٌ فَتَوَضَّأَ فَجَهِشَ النَّاسُ نَحْوَهُ فَقَالَ مَا لَكُمْ قَالُوا لَيْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ نَتَوَضَّأُ وَلَا نَشْرَبُ إِلَّا مَا بَيْنَ يَدَيْكَ فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الرِّكْوَةِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَثُوْرُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ كَأَمْثَالِ الْعُيُونِ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا قُلْتُ، كَمْ كُنْتُمْ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً۔ (صحیح البخاری، کتاب المناقب) حضرت سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ صلحِ حدیبیہ کے دن لوگوں کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ رسولِ اکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک برتن میں تھوڑا سا پانی رکھا تھا۔ مصطفیٰ کریم علیہ افضل الصلوات و اکرم التسلیم نے اس سے وضو فرمایا۔ پھر لوگ تاجدارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کیا بات

ہے؟"انہوں نے عرض کیا: یارسولَ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! ہمارے پاس نہ وضو کے لیے پانی ہے اور نہ پینے کے لیے، سوائے اس تھوڑے سے پانی کے جو آپ کے سامنے رکھا ہے۔ یہ سن کر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس برتن میں رکھ دیا، تو سرکار اقدس ﷺ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے چشموں کی طرح پانی ابلنے لگا۔ چنانچہ ہم سب نے اس پانی سے خوب سیر ہو کر پیا بھی اور وضو بھی کیا۔ راوی کہتے ہیں: میں نے حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: اس وقت آپ لوگوں کی تعداد کتنی تھی؟ انہوں نے فرمایا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو یہ پانی ہمارے لیے کافی ہو جاتا، جبکہ اس وقت ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔"

امامِ اہلِ سنت حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

نور کے چشمے لہرائے، دریا بہے
انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

مطلب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ایسے انعامات و معجزات عطا فرمائے کہ اس کو سمجھ پانا عقل سے ماورا ہے۔ حضور سیدی سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں جو برادرِ اکبر کے شعر کی تشریح معلوم ہوتی ہے:

حقیقت سے تمہاری جز خدا اور کون واقف ہے
کہے تو کیا کہے کوئی چنیں تم ہو چناں تم ہو

اسی طرح امیر المومنین حضرت سیدنا مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا تعظیم حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نمازِ عصر قضا کرنا تو سورج کا بحکم حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس آجانا۔ ایسے ہی عظیم معجزے اور دیگر بے شمار واقعات ہیں جن میں رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت نمایاں ہے اور ایسی کہ کوئی سمجھ نہیں سکتا کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ پس سرکار اعلیٰ حضرت نے ہمیں تعلیم دی اور تحریر فرمایا:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کہ حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

حضور حجۃ الاسلام کے شعر کا دوسرا مصرع بھی اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ:

خدا پر اس کو چھوڑا ہے وہی جانے کہ کیا تم ہو

[۲] اپنے والد ماجد حضور امام اہلِ سنت سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر

حامدٌ منّی وَ اَنا من حامد
حمد سے ہمد کماتے یہ ہیں

اسی مضمون کو حجۃ الاسلام نے نہایت دل نشیں انداز میں یوں پیش کیا:

اَنا من حامد و حامد رضا منّی کے جلووں سے
بحمد اللہ رضا حامد ہیں اور حامد! رضا تم ہو

برادرِ عزیز سے محبت

حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ العزیز اپنے اہلِ خانہ، خصوصاً اپنے چھوٹے بھائی سے بے حد محبت فرمایا کرتے تھے۔ اپنی دعاؤں میں بھی انہیں ہمیشہ یاد رکھتے، بلکہ جب بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض گزار ہوتے تو اپنے بھائی کو بھی اپنے ساتھ شامل کرتے۔ اسی جذبۂ محبت کا اظہار ان کے اس شعر میں نمایاں ہے:

اب تو مدینے لو بلا گنبد سبز دو دکھا
حامد و مصطفیٰ تیرے ہند میں ہیں غلام دو

بیعت وخلافت

حضور حجۃ الاسلام کو نور العارفین، سراج السالکین، نبیرۂ حضور خاتم الاکابر، قطب مارہرہ مطہرہ حضور سیدنا سرکار سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ کے دست حق پرست

پر بیعت کا شرف حاصل ہے اور آپ ہی سے خلافت واجازت بھی عطا ہوئی۔ اس کے علاوہ آپ کے والد گرامی، مجددِ اعظم امام احمد رضا کو بھی حضور سرکارِ نور رضی اللہ تعالیٰ علیہ نے خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔ یوں حضور حجۃ الاسلام کو اپنے شیخ طریقت اور اپنے والد ماجد، دونوں بزرگوں سے خلافت واجازت حاصل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حسن وجمال کا عالم

اللہ تعالیٰ نے حضور حجۃ الاسلام کو اپنے حضور پیر ومرشد حضور سرکارِ نور سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح حسن وجمال عطا فرمایا۔ جس طرح پیر ومرشد حضور نوری میاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسن و جمال کو دیکھ کر غیر مسلم اسلام قبول کر لیتا تھا، ویسے ہی حضور حجۃ الاسلام کے حسین وجمیل چہرہ کو بھی دیکھ کر کفار وبدمذہباں ایمان لے آتے۔

کفر وگمراہی کے دلدل سے ہیں کتنے نکلے
جیسے ہی دیکھا چمکتا ہوا چہرہ تیرا
دیکھ کر غم بھی مسرت میں بدل جاتا ہے
نورِ ایماں سے چمکتا ہوا روضہ تیرا
(حامی)

□□□

ص ۳۵ کا بقیہ ....

لوگ جمع ہو گئے، عجیب خوف وہراس کا سماں بندھ گیا، ہر طرف دہشت کا ماحول برپا ہو گیا اور رپورٹ تھانہ تک پہنچ چکی اور تھانہ کا پورا عملہ ہتھیاروں سے لیس جائے وقوع پر پہنچ گیا مگر شیر بہار کے چہرے پر کوئی ملال نہیں، خوف وہراس کا کچھ اثر نہیں، مرد وعورت سب گالیاں دیتے رہے، مغلظات کی بوچھار کرتے رہے، پولیس کا عملہ سامنے کھڑا ہے مگر اللہ کے اس شیر دل بندے نے جب تک نعش کو اپنی نظر سے دیکھ نہیں لیا، اس وقت تک شرعی نفاذ پر ڈٹا رہا۔

ادھر شریعت پر استقامت کا یہ عالم کے حکومت وقت بھی قدموں میں لغزش نہ ڈال سکی اور دوسری طرف الحب فی اللہ و البغض فی اللہ کا یہ منظر عجیب دیدنی تھا کہ جب آخری جلسہ کے دن خطبہ صدارت کے لیے کھڑے ہوئے تو تو فرمایا کہ "میں جو کچھ کر رہا تھا وہ شرعی نقطہ نظر سے کر رہا تھا مگر لوگوں و میرا عمل پسند نہیں آیا اس لیے وہ گالیاں دے رہے تھے مگر میں ان تمام لوگوں کو معاف کرتا ہوں" یہ کہنا تھا کہ سب کی آنکھیں چھلک گئیں اور پورا مجمع احساس شرمندگی میں ڈوب گیا" مذکورہ دونوں واقعہ مفکر اسلام، ماہر قرطاس وقلم، خلیفہ حضور تاج الشریعہ مولانا قمر الزماں مصباحی صاحب نے اپنی ایک تحریر میں بیان کیا ہے اسی کا اقتباس یہاں پیش کیا گیا ہے۔

جس کو محب گرامی قدر مولانا ریحان رضا انجم مصباحی صاحب نے اپنے رسالہ ضیائے مجی کا شیر بہار نمبر میں شائع کیا ہے۔ اہل سنت وجماعت کا یہ درخشندہ ستارہ ۱۱ر صفر المظفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۶ر جنوری ۲۰۱۲ء شب جمعہ تقریباً ۳ بجے غروب ہو گیا۔ آج ان کا گیارہواں عرس مقدس ہے اسی مناسبت سے یہ تحریر پیش کی جا رہی ہے۔

□□□

ص ۳۸ کا بقیہ ....

مدرس کی تنخواہ اپنے وظیفہ کے برابر نہیں دے سکتا؟ ہم مدارس چاہتے ہیں یا صرف مدارس کی عمارتیں؟ ہم علما چاہتے ہیں یا صرف اساتذہ کی فہرستیں؟ ہم تحقیق چاہتے ہیں یا رسمی اسباق؟

خلاصۂ کلام

مدارس کی بقا اینٹوں سے نہیں، باصلاحیت، مطمئن اور باوقار مدرسین سے ہے۔ اگر ہم نے مدرس کی عزت، کفالت اور علمی آزادی کو یقینی نہ بنایا تو آنے والا اخلا نا قابلِ تلافی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عدل، اخلاص اور دور اندیشی عطا فرمائے اور ہمارے مدارس کو حقیقی علمی مراکز بنائے، آمین۔

□□□

ص ۴۹ کا بقیہ ....

سرکار دو عالم کی سنت کا جو عامل ہے
بس اس کی ہی کرتے ہیں تحسین شہ سمناں
اک نعت کچھوچھہ میں پڑھ آنا کبھی اشرف
ہیں نعت رسالت کے شوقین شہ سمناں

□□□

اسلاف و اخلاف

از: مولانا محمد فیضان رضا علیمی *

حضور شیر بہار کا تصلب و استقامت

دین اسلام پر استقامت اور تصلب ایسی پُر خار وادی ہے کہ اس پر چلنا سب کے بس کی بات نہیں ہے۔ جس کے ساتھ فضلِ خداوندی ہوتا ہے وہی اس راہ کا حقیقی مسافر کہلاتا ہے۔ اس میدان میں آکر بہتوں کے پیر پھسل جاتے ہیں اور اپنائیت و دوستی کا سبق یاد تو رہتا ہے لیکن دین کی استقامت و تصلب کا سنہرہ باب ذہین سے غائب ہو جاتا ہے۔

حضور شیر بہار، خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند، مناظر اسلام مفتی اسلم رضوی علیہ الرحمہ کے ساتھ رب ذوالجلال کا بڑا فضل و کرم ہوا کہ ان کو تصلب و استقامت دونوں اس قدر ملا کہ کسی کی پرواہ کیے بغیر مسلک و مذہب کی نشر و اشاعت فرماتے اور اگر دین و سنت سے ہٹ کر کوئی کام ہوتا خواہ وہ کام کتنے بڑے پیسے والے یا قریبی کا ہو، وہ اپنے وقت کا تیسمار خان ہو یا حکومتی اثر و رسوخ رکھنے والا، رشتہ دار ہو یا خاندانی بغیر کسی کی پرواہ کیے اسلام پر سختی سے عمل کرتے اور اپنے لواحقین و مریدین کو کرنے کا حکم دیتے تھے۔

ذیل کی سطروں میں حضور شیر بہار قدس سرہ کی حیات زیست کا دو واقعہ نقل کرتا ہوں جس سے آپ کا تصلب و استقامت خوب عیاں ہوتا ہوا نظر آئے گا۔

"آج سے تیس سال قبل کی بات ہے جب میں (مولانا قمر الزماں مصباحی) آپ کے آغوشِ علم و فن میں پروان چڑھ رہا تھا۔ مجذوب رب کامل حضرت الحاج الشاہ نعمت علی عرف خاکی بابا علیہ الرحمہ کے شیدائی و فدائی محترم الحاج رفیق شاہ سمری جامعہ کے ممبر تھے۔ جب ان کے بڑے لڑکے کے انتقال کی خبر آپ کو ملی تو تمام اساتذہ اور طلبہ کو ان کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے لے کر ان کے گھر پہنچے، غسل و تکفین کے بعد معلوم ہوا کہ جنازہ کوئی وہابی مولوی پڑھائے گا۔ تو آپ جملہ اساتذہ و طلبہ کو لے کر واپس جامعہ آ گئے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب وہابیت چور دروازے سے ان کے گھر میں داخل ہوئی اور شاہ صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ جو مدرسہ کے ممبر کے ساتھ بڑے زبردست معاون بھی تھے۔ مگر آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔"

آپ کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو مصلحت اپناتا اور جامعہ کے مفاد کو ترجیح دیتا کہ ایسے بھیانک اور گمبھیر موڑ پر بہتوں کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں اور ادارہ کے عدم تعاون کے خوف سے خود بخود نرم پڑ جاتے ہیں لیکن وہ رے رضا کا شیر اپنائیت اور جامعہ کا خیال تو دور مذہب کے خلاف معاملہ کو دیکھتے ہی واپس ہو کر دنیا کو بتا دیا کہ سب بعد میں ہے پہلے میرا دین و مذہب ہے۔

دوسرا واقعہ استقامت فی الدین کا ہے۔ شریعت پر استقامت آپ کا زندگی کا نمایاں عنصر تھا۔ جیسا بھی وقت آیا، جتنی آندھیاں چلیں، بڑے سے بڑے حادثے پیش آئے لیکن شریعت پر استقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ جبکہ اس راہ میں اپنوں کی مخالفت کا سامنا زیادہ کرنا پڑا۔ لیکن امام احمد رضا کا یہ شیر ببر سب کا مقابلہ نہایت جرأت و اعلیٰ ہمتی کے ساتھ کرتا رہا۔ دریاپور اور بیلسنڈ (سیتامڑھی) کے درمیان چندولی نام کی ایک بستی ہے جہاں ایک مزار ہے اسی کے عرس کے موقع سے ایک جلسہ میں آپ کو مدعو کیا گیا آپ کی صدارت میں جلسہ منعقد ہوا۔ دو روزہ اجلاس تھا جلسہ کے دوسرے دن کسی نے آپ تک یہ بات پہنچائی کہ یہ مزار فرضی ہے اور اس کا عرس منایا جاتا ہے۔ آپ نے فوراً مزار کو کھودنے کا حکم دیا وہاں کے کچھ باشندے پھوڑا اور کدال لے کر کھودنے لگے اور حضرت وہیں کھڑے رہے جب عوام تک یہ بات پہنچی تو ہزاروں کی تعداد میں بقیہ ص ۳۴ پر

اسلاف و اخلاف

* مضمون نگار سہ ماہی پیام بصیرت سیتامڑھی، بہار کے مدیر ہیں۔

از: مولانا انیس الرحمن حنفی رضوی *

مدارس میں ماہر و باصلاحیت مدرسین کی کمی

امت مسلمہ کی علمی تاریخ کا مطالعہ ہمیں اس حقیقت سے روشناس کراتا ہے کہ اس امت کی اصل طاقت نہ اس کی ظاہری وسعت میں رہی ہے اور نہ محض اس کے اداروں کی کثرت میں، بلکہ اس کی حقیقی قوت ہمیشہ اس کے علمی سرمائے اور اس سرمائے کے امین افراد میں مضمر رہی ہے۔ یہی وہ افراد تھے جنہوں نے علم کو صرف محفوظ نہیں رکھا بلکہ اسے زندہ رکھا، اسے منتقل کیا، اس کی تشریح کی، اس پر اضافہ کیا اور ہر دور کے فکری و تہذیبی چیلنجز کے مقابل اسے ایک مضبوط حصار بنا کر پیش کیا۔

دینی مدارس اسی علمی روایت کے وہ روشن مراکز رہے ہیں جہاں علم کتابوں کی سطروں میں مقید نہیں رہا بلکہ سینوں میں منتقل ہوا، کرداروں میں ڈھلا اور معاشروں کی تشکیل کا ذریعہ بنا۔ ان اداروں کی اصل روح نہ ان کی عمارتیں تھیں، نہ نصاب کی ضخامت، بلکہ وہ باکمال اساتذہ تھے جو علم کے ساتھ اخلاص، بصیرت اور فکری گہرائی کا حسین امتزاج رکھتے تھے، مگر آج اسی مضبوط اور درخشاں روایت کے اندر ایک ایسا خاموش بحران جنم لے رہا ہے، جو بظاہر فوری طور پر محسوس نہیں ہوتا لیکن اپنی نوعیت اور اثرات کے اعتبار سے نہایت سنگین ہے اور وہ بحران ہے ماہر، باصلاحیت، صاحبِ نظر اور فن پر عبور رکھنے والے مدرسین کی کمی کا بڑھتا ہوا رجحان، جو اگر اسی طرح نظر انداز ہوتا رہا تو آنے والے وقت میں دینی مدارس کی فکری سمت، علمی معیار اور قیادی حیثیت سب کچھ متاثر ہو سکتا ہے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ کسی بھی تعلیمی نظام کی کامیابی کا دارومدار اس کے اساتذہ پر ہوتا ہے اور اسلامی روایت میں تو استاد کا مقام محض ایک معلم کا نہیں بلکہ ایک مربی، ایک رہنما اور ایک امینِ علم کا رہا ہے، چنانچہ اکابرین نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ مدرس کو محض ایک ملازم کے درجے میں نہ دیکھا جائے بلکہ اسے اس علمی سلسلے کی ایک اہم کڑی سمجھا جائے جو نسل در نسل منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے، لیکن موجودہ صورتِ حال میں یہ توازن بگڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے، جہاں بہت سے اداروں میں تقرریوں کا معیار علمی اہلیت اور فکری پختگی کے بجائے ذاتی تعلقات، گروہی وابستگیوں اور وقتی مصلحتوں پر مبنی ہو گیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ افراد آگے آ جاتے ہیں جو بظاہر نظام کو چلا تو لیتے ہیں لیکن اس میں کوئی علمی روح اور تحقیقی جان پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، جبکہ وہ لوگ جو واقعی علمی گہرائی اور تحقیقی بصیرت کے حامل ہوتے ہیں، یا تو نظر انداز کر دیے جاتے ہیں یا خود اس ماحول سے بددل ہو کر کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں اور یوں ایک ایسا خلا پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

اسی کے ساتھ ایک اور اہم اور حساس پہلو معاشی مسائل کا ہے، جسے نظر انداز کرنا اس پورے مسئلے کو سطحی انداز میں دیکھنے کے مترادف ہوگا، کیونکہ جب ایک مدرس اپنی بنیادی ضروریات کے لیے بھی فکر مند ہو، جب اس کی علمی محنت کا صلہ اس کی عزتِ نفس کے مطابق نہ ہو، جب اسے وہ معاشی استحکام حاصل نہ ہو جو اسے یکسوئی کے ساتھ علمی کام کرنے کے قابل بنا سکے، تو ایسے حالات میں اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ہمہ وقت مطالعہ، تحقیق اور تدریس میں مصروف رہے گا، ایک غیر حقیقی مطالبہ معلوم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج بہت سے باصلاحیت مدرسین تدریس کے ساتھ دیگر معاشی ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہیں، جس کے نتیجے میں ان کی توجہ تقسیم ہو جاتی ہے، ذہنی یکسوئی متاثر ہوتی ہے اور وہ علمی گہرائی پیدا نہیں ہو پاتی جو ایک بڑے عالم کی پہچان ہوتی ہے، یوں علم کا وہ درجہ جو کبھی فکر و بصیرت کی بلندیوں تک پہنچتا تھا، رفتہ رفتہ

* مضمون نگار جامعہ رضویہ زینت العلوم، سرس کھیڑا ضلع مرادآباد یوپی کے پرنسپل ہیں۔

ایک رسمی ادائیگی میں تبدیل ہونے لگتا ہے۔

مزید برآں موجودہ دور میں مطالعہ کے رجحانات میں جو تبدیلی آئی ہے وہ بھی اس بحران کو مزید گہرا کر رہی ہے، کیونکہ ماضی کے علما کی زندگیوں میں کتاب ایک مستقل رفیق کی حیثیت رکھتی تھی، گھنٹوں بلکہ دنوں اور مہینوں تک جاری رہنے والا عمیق مطالعہ ہی ان کی علمی عظمت کا راز تھا، مگر آج کے ماحول میں جہاں فوری معلومات، مختصر مواد اور ڈیجیٹل مصروفیات نے جگہ بنا لی ہے، وہاں گہرائی کے ساتھ پڑھنے، غور کرنے اور تحقیق کرنے کا مزاج کمزور پڑتا جا رہا ہے، اور جب ایک مدرس خود اس مزاج سے دور ہو جائے تو اس کے اثرات براہِ راست اس کے طلبہ پر بھی مرتب ہوتے ہیں، نتیجتاً ایک ایسی نسل تیار ہونے لگتی ہے جس کے پاس معلومات تو ہوتی ہیں مگر وہ فکری پختگی اور تحقیقی بصیرت نہیں ہوتی جو اسے ایک حقیقی عالم بنا سکے۔

ان تمام عوامل کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ مسئلہ محض چند افراد کی کمی کا نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر فکری بحران کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے، جس کے اثرات تدریس کے معیار سے لے کر تحقیق کے ذوق تک اور اداروں کی روح سے لے کرامت کی فکری قیادت تک ہر سطح پر محسوس کیے جا سکتے ہیں اور اگر یہی روش برقرار رہی تو وہ وقت دور نہیں جب مدارس اپنی ظاہری شکل و صورت کے ساتھ باقی تو رہیں گے مگر ان کے اندر وہ علمی روح اور فکری توانائی باقی نہیں رہے گی جو انہیں تاریخ میں ممتاز بناتی رہی ہے۔

لہٰذا اس صورتِ حال کا تقاضا یہ ہے کہ اس مسئلے کو وقتی یا جزوی حلوں کے بجائے ایک جامع اور سنجیدہ نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تقرریوں کے نظام میں شفافیت اور اہلیت کو بنیادی معیار بنایا جائے، مدرسین کو ایسا باوقار ماحول اور مناسب معاشی استحکام فراہم کیا جائے جو انہیں یکسوئی کے ساتھ علمی کام کرنے کے قابل بنائے اور اداروں کے اندر ایسا علمی ماحول پیدا کیا جائے جہاں مطالعہ، تحقیق اور تنقیدی فکر کو فروغ حاصل ہو، کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ ایک مضبوط تعلیمی نظام صرف عمارتوں، نصابوں یا نظم و ضبط سے قائم نہیں ہوتا بلکہ ان افراد سے قائم ہوتا ہے جو اس نظام کو اپنی فکر، اپنے اخلاص اور اپنی علمی صلاحیتوں سے زندہ رکھتے ہیں۔

آخر میں یہ سوال ہم سب کے لیے ایک سنجیدہ لمحۂ فکریہ ہے کہ کیا ہم واقعی علم کو اس کی اصل روح کے ساتھ زندہ رکھنا چاہتے ہیں یا ہم صرف اداروں کی ظاہری بقا پر مطمئن ہیں؟ کیا ہمیں ایسے علما درکار ہیں جو زمانے کی فکری رہنمائی کر سکیں یا صرف ایسے افراد جو رسمی طور پر تدریسی ذمہ داریاں ادا کر دیں؟ کیونکہ اگر ہم نے اس بنیادی فرق کو نہ سمجھا تو وہ خلا جو آج آہستہ آہستہ پیدا ہو رہا ہے کل ایک ناقابلِ تلافی بحران کی صورت اختیار کر لے گا اور اس وقت شاید ہمارے پاس افسوس کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح فہم، اخلاص اور دور اندیشی عطا فرمائے اور ہمارے دینی اداروں کو حقیقی معنوں میں علم و تحقیق کا گہوارہ بنائے، آمین۔

ص ۴۸ / کا بقیہ ....

کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتا۔ اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع کی پاداش میں ہمیں گالیاں ملتی ہیں تو یہ بھی قبول ہے، اور اگر اس کی وجہ سے لوگ ہم سے ناراض ہوتے ہیں تو اس کی بھی کوئی پروا نہیں۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے۔ حق بات ہم کہتے رہے ہیں، کہتے ہیں اور ان شاء اللہ کہتے رہیں گے۔

□□□

جماعت رضائے مصطفیٰ

یہ اعلیٰ حضرت کی قائم فرمودہ ایک روشن تاریخ کی حامل جماعت ہے، جس کی نشاۃ ثانیہ حضور تاج الشریعہ قدس سرہ العزیز کے ہاتھوں ہوئی۔

برادران اہل سنت اپنے اپنے علاقے میں اس کی شاخیں قائم کریں، اس عظیم جماعت کے ممبر بنیں اور مرکز سے جڑ کر اپنی ملّی و مذہب خدمات انجام دیں اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوں۔

مزید معلومات کیلئے 7055078621 پر رابطہ کریں۔

مدارس میں باصلاحیت اور فنکار اساتذہ نایاب

ایک خاموش المیہ

از: مفتی محمد صابر القادری فیضی*

سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"مدرسین کو بیش قرار تنخواہیں دی جائیں۔"

حضور قطب الارشاد علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ درس نظامی کے ہر مدرس کا وظیفہ ایک لاکھ روپے سے شروع ہو، رہائش و مراعات بھی ساتھ ہوں، اگلے دو عشروں میں مدارس میں تجربہ کار، ماہرین فن اور کتابوں پہ عبور رکھنے والے مدرسین کا شدید قحط پڑ جائے گا...... پرانے ہنر مند اٹھتے جارہے ہیں..... اور نئے مدرسین پیدا نہیں ہو رہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اب مدارس میں بھی تدریس قابلیت کی بنا پر نہیں بلکہ...... اقربا پروری گروہ پرستی اور تعلقات کی بنا پر دی جاتی ہے یا پھر پبلک اسکولوں کی طرح اپنے شاگرد رکھے جاتے ہیں، جو کم تنخواہ پر گزارا کرنے والے اور چاپلوسی کرنے والے ہوتے ہیں، اگر قابلِ مدرس رکھ بھی لیں تو نہ تو اس کو معقول وظیفہ دیتے ہیں اور نہ ہی اس کی قدر کرتے ہیں۔

جیسا کہ پاکستانی حکمران اپنے سائنس دانوں اور ڈاکٹروں کی قدر نہیں کرتے تو وہ امریکہ چلے جاتے ہیں..... اسی طرح قابل مدرسین پھر خود مدرسہ کھولنے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں اس طرح ان کی تدریسی صلاحیتیں مدرسہ چلانے میں لگ جاتی ہیں۔ یہ صورتِ حال بڑھتی ہی جارہی ہے اور آنے والے وقتوں میں اسی سبب درسگاہوں میں سخت قحط دیکھنے کو ملے گا..... بہت سارے ایسے ہیں جو تدریس کے ساتھ ساتھ کاروبار سے بھی جڑے ہوئے ہیں ایسے میں ایک مدرس کی حقیقی روح ختم ہو جاتی ہے تحقیق کے دروازے بند ہو جاتے ہیں..... کیونکہ دورانِ مطالعہ بھی ذہن منتشر، دوران اسباق بھی کاروبار میں الجھا ہوا اور ان دونوں سے جو وقت بچا وہ کاروبار کی مصروفیات میں گزر گیا نہیں تو یوں کہیے کہ بمشکل تدریسی فرائض کے لیے وقت نکلتا ہے۔

یوں محققین علما یادِ ماضی بنتے جارہے ہیں.... ویسے بھی کتاب بینی کی جگہ اب موبائل بینی ہو جاتی ہے کتاب بھی پی ڈی ایف فائل میں ہی مل جاتی ہے تو کتاب اٹھا کر یکسو ہو کر پڑھنے کی برکات سے محروم ہونا پڑا..... اس کی وجہ نہیں وجوہات ہیں۔ جدید دور کی چمک نے آنکھیں خیرہ کر رکھی ہیں..... مدارس کی کم تنخواہوں نے بھی آزاد کاروباری زندگی اپنانے کی راہیں دکھائی ہیں اور مہتمم حضرات کے نزدیک مدرِّسین کی قدر نہ ہونا بھی شامل ہے جس کی وجہ سے حوصلہ شکنی پیدا ہوئی اور علما نے تجارت کو ترجیح دینا مناسب سمجھا... بہت سارے باصلاحیت اور کارآمد فضلا کو مدارس میں جگہ صرف اس لیے نہیں ملتی کہ وہ خوددار ہوتے ہیں۔

ان میں جی حضوری و چاپلوسی کا مادہ یا تو کم ہوتا ہے یا سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ ایسے لوگ منتظمین کی حکمرانی میں خلل کا باعث ہو جاتے ہیں۔ ان کی جگہ چاپلوسی کرنے والوں کو دی جاتی ہے جن کا واحد سرمایہ بس یہی ہوتا ہے اس طرح اچھے لوگوں کا راستہ کٹ جاتا ہے اور وہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں ضم ہو جاتے ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب ہم دیکھیں گے کہ شیخ الحدیث بھی سبق بجائے نفس کتاب کے شروحات کھول کے سامنے رکھ کر پڑھا رہا ہوگا باقی نیچے والے مدرسین کا سین خود سوچیں کہ کیا ہوگا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس کے نظام کو از سرِ نو تعمیر کیا جائے۔ مہتمم گردی کی بیخ کنی کے ساتھ اس کی بنیاد عدل و مساوات، ایمانداری و پرہیزگاری پر رکھی جائے۔ اگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ اعلان کر سکتے ہیں کہ ایک عام آدمی کے برابر میرا وظیفہ مقرر کیا جائے تو پھر آج کا مہتمم کیوں ایک عام مدرس کے بقدر تنخواہ نہیں لے سکتا؟ یا عام

بقیہ ص ۳۴ پر

* مضمون نگار جامعہ عربیہ رحمانیہ، رحمٰن گنج ضلع بارہ بنکی کے سابق پرنسپل ہیں۔

از: طارق محمود رضوی*

فارغین مدارس اور یونیورسٹیاں

اللہ تعالیٰ نے شریعت مطہرہ کے تمام احکام میں بے شمار برکتیں اور حکمتیں رکھی ہیں، چاہے وہ عبادات وریاضات سے متعلق ہوں یا معاشرت ومعاملات سے، گفتار ورفتار سے تعلق رکھتے ہوں یا خورد ونوش اور لباس سے، خلاصہ شریعت کا ہر حکم اپنے دامن میں نے شمار خوبیاں سمیٹے ہوئے ہے، مدارس اسلامیہ میں طلبہ کو زندگی کے ہر گوشے میں اسلامی تعلیمات اور اپنے پیشوا کے طرزِ عمل پر مضبوطی سے پابند رہنے کی تربیت کی جاتی ہے، بعض طلبہ اس تربیت کے آگے ہر حال میں نہ صرف سر تسلیم خم کرتے ہیں بلکہ تازیست اس پر عمل پیرا رہنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، خواہ وہ سفر میں ہوں یا حضر میں، وطن میں ہوں یا دیارِ غیر میں، لیکن افسوس! کچھ طلبہ صرف مدرسہ کی چہار دیواری تک ان تعلیمات پر عمل کرتے ہیں۔

ان کا یہ عمل محض وقت گزاری یا تفریح طبع کے طور پر ہوا کرتا ہے، جیسے ہی وہ مدارس سے نکلتے ہیں، اسلامی تہذیب کو بالائے طاق رکھ کر مغربی ثقافت کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں، یونیورسٹی کے ماحول میں چند ہی دنوں میں ان کی ظاہری وضع قطع بدلنے لگتی ہے؛ پہلے ہی مہینے سر سے ٹوپی اترتی ہے، دوسرے تیسرے مہینے پاجامے کی جگہ پینٹ آجاتی ہے اور پھر جلد ہی کرتا بھی چھوٹ جاتا ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چہرے کی زینت، یعنی سنت مبارکہ داڑھی بھی ان کے لیے باعثِ شرمندگی بن جاتی ہے۔

طلبہ مدارس کا یونیورسٹیوں کی سمت جب ابتدائی دور تھا تو خلاف شریعت قدم اٹھانے والے اعتراضانہ نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور انہیں لوگوں کی انگشت نمائی کا خطرہ لگا رہتا تھا، خلاف شرع امور کے ارتکاب پر انہیں جھجک محسوس ہوتی تھی، مگر اب چونکہ روز بروز شیطانیت ونفسانیت کا کافی غلبہ ہو رہا ہے تو وہ شریعت کے خلاف بڑے سے بڑے جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے کچھ خوف وہراس نہیں رکھتے بلکہ ضمیر اتنا مردہ ہو گیا ہے کہ کھلے عام شریعت کی نافرمانی کرتے ہیں اور یہ احساس نہیں ہوتا کہ ہمارے اس فعل سے اللہ اور رسول ناراض ہوں گے. یہ جامعات میں مغربی تعلیم کا زہریلا اثر ہے کہ مدارس کے اکثر طلبہ مغربیت کے اسیر ہو جاتے ہیں، پھر وہ داڑھی جیسے مقدس شعار کو تہذیب وتمدن کے خلاف سمجھنے لگتے ہیں، ان کے لیے اب داڑھی ذلت اور پسماندگی کی علامت بن جاتی ہے۔

افسوس! یہ وہی ہوتے ہیں جو علم دین کی سند حاصل کر کے یونیورسٹی میں "عالم، مولانا" اور" علامہ" کہے جاتے ہیں، یہی وہ باغی وفاسق طلبہ ہوتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کو بدنام کرتے ہیں اور دین میں طرح طرح کے رخنے پیدا کر کے مدارس کے طلبہ کو بہکانے کی کوشش میں صلح کلی ہو کر اپنا ایمان کھو بیٹھتے ہیں، شریعت کی خلاف ورزی میں اتنے نیچے چلے جاتے ہیں کہ اپنی سوچ وفکر کے دروازوں کو مقفل کر دیتے ہیں، اب آپ ہی دیکھیں ذرا کہ مسلمان تو مسلمان کفار بھی جانتے ہیں کہ روز اول سے مسلمانوں کی راہ داڑھی رکھنی ہے۔

بین المذکر والمؤنث جیسے بداخلاق طبقہ بھی داڑھی ٹوپی والوں سے پیسے مانگنا تو درکنار اپنا راستہ بدل لیتے ہیں، اس کا مشاہدہ سفر کرنے والوں نے کیا ہوگا، گویا وہ بھی جانتا ہے کہ اسے ٹوپی اور داڑھی والے کی عزت لازم ہے، چاہے وہ عالم ہو یا نہ ہو، لیکن اسلامی لباس زیب تن کیا ہے تو وہ اپنی آنکھوں سے دنیوی فائدہ دیکھتا ہے، مگر دوسری جانب وہی یونیورسٹی کا داڑھی منڈا متعلّم ہو تو یہ تالی بجانے والا طبقہ انعام لیے بغیر واپس نہیں جاتا. نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف عمل میں بلکہ لباس

ورنگت تک میں کفار سے مشابہت کو ناپسند فرمایا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے انہیں پیلے رنگ کے کپڑے پہنے دیکھا، تو فرمایا: بے شک یہ کافروں کا لباس ہے، آئندہ مت پہننا۔ انہیں حضور کی ناگواری کا احساس ہوا، مکان پر واپس آئے اور ان دونوں کپڑوں کو جلادیا، جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: وہ کپڑے کیا ہوئے؟ عرض کیا: ان کو جلادیا گیا، فرمایا: اپنے گھر کی عورتوں میں کسی کو دے دیے ہوتے کہ عورتوں کے لیے پیلے کپڑوں کے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ (کتاب اللباس والزینۃ، الحدیث ۲۰۷۷)

ذرا غور فرمائیے کہ پیارے آقا نے رنگ میں بھی کفار کی مشابہت گوارانہ فرمائی مگر آج کے کچھ طلبہ مغربی انداز میں اس طرح غوطہ زن ہوگئے ہیں کہ انہیں اسلامی شعار کو ذبح کرتے ہوئے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کیونکہ ان کے ذہن وفکر پر مغربیت کا قبضہ ہو چکا ہے، یہی صورت حال دیکھتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا:

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟
ہوگئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں، رُوح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں
شور ہے، ہوگئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اللہ تعالیٰ زمانے کے فتنوں سے محفوظ رکھے اور اتباع سنت کی توفیق بخشے اور مسلک اعلیٰ حضرت پر قائم ودائم رکھے، آمین ثم آمین۔

□□□

ص ۴۹ / کا بقیہ

بڑھیں عظمتیں ان سے حنا کی بشر کی
اثر دیکھئے ایک نوری بشر کا
ہیں یہ برکتیں موئے شاہ زمن کی
ملا تمغہ سیفِ خدا کو ظفر کا
ہیں مصروف مدحت میں قلب وزباں سب
اثر ہے یہ ان کے کرم کی نظر کا
نہیں دیکھا جنت میں بھی ایسا منظر
جو منظر ہے میرے نبی کے نگر کا
ملی روشنی ان کی سیرت سے سب کو
ہوا خاتمہ عینی اندھے سفر کا

ص ۴۹ / کا بقیہ

جو کہے سرکار کو اپنی طرح
مستحق ہے وہ عذابِ نار کا
لیجیے شاہِ زمن میری خبر
دہر میں کوئی نہیں بیمار کا
خواب میں تشریف لائیں مصطفیٰ
میرے دل میں شوق ہے دیدار کا
ہے، زہے قسمت نعیمِ قادری
نعت خواں، سرکار کے دربار کا

ص ۴۹ / کا بقیہ

تھے بہت مشکل مگر خلد بریں کے راستے
آپ کے در سے ہوئے آسان ہیں احمد رضا
کیجئے ہم کو عطا طرزِ ثنائے مصطفیٰ
کیونکہ ہم بھی مطربِ حسان ہیں احمد رضا
آپ نے دریا بہایا ایسا علم وفضل کا
ماہرین علم وفن حیران ہیں احمد رضا
اک عنایت کی نظر حسرت پہ بھی کردیجئے
سیرت وکردار کے دھنوان ہیں احمد رضا

□□□

ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حکومت وقت سے چند سوالات

از: حافظ افتخار احمد قادری*

ان دنوں ناریہ خان کا معاملہ سوشل میڈیا سے نکل کر عوامی سطح پر ایک بڑی بحث کا موضوع بن چکا ہے۔ مختلف شہروں میں اس کے خلاف ابتدائی اطلاعی رپورٹیں درج کرائی جا چکی ہیں، مذہبی وسماجی حلقوں میں شدید بے چینی پائی جا رہی ہے اور مسلمانانِ ہند کے دلوں میں اضطراب کی کیفیت ہے۔

وجہ بالکل واضح ہے، مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس ان کی جان، مال، اولاد اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرتا ہے یا گستاخانہ لب ولہجہ اختیار کرتا ہے تو کروڑوں مسلمانوں کے دل زخمی ہو جاتے ہیں۔

یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے، گزشتہ چند برسوں میں متعدد بار ایسے واقعات پیش آئے جن میں مختلف افراد نے شہرت حاصل کرنے، سیاسی فائدہ سمیٹنے یا سوشل میڈیا کی توجہ حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا۔ ہر مرتبہ مسلمانوں نے احتجاج کیا، قانونی کارروائی کا مطالبہ کیا، مذمتی بیانات جاری ہوئے، مقدمات درج ہوئے اور پھر کچھ دنوں بعد کوئی نیا کردار سامنے آ گیا۔ یہی وہ حقیقت ہے جو آج ایک بڑے سوال کو جنم دے رہی ہے کہ آخر کب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا؟ کیا یوں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخیاں ہوتی رہیں گی؟ کیا یوں ہی کروڑوں مسلمانوں کے ایمان اور جذبات کو بار بار مجروح کیا جاتا رہے گا؟

یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ حدیثِ پاک میں ارشاد فرمایا گیا: "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" یہی وہ ایمان افروز تعلیم ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چراغ روشن رکھا ہے۔ اسی لیے جب کوئی گستاخی کا واقعہ سامنے آتا ہے تو مسلمان اسے صرف ایک بیان یا جملہ نہیں سمجھتا بلکہ اپنے ایمان کے مرکز پر حملہ تصور کرتا ہے۔

اس وقت ملک کے مختلف حصوں میں جو ردِعمل دیکھنے کو مل رہا ہے وہ دراصل اسی عشق ومحبت کا اظہار ہے۔ مسلمانانِ ہند یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر ان کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نازیبا الفاظ کہے جائیں اور اس پر فوری اور مؤثر کارروائی نہ ہو تو یہ معاملہ صرف ایک فرد تک محدود نہیں رہتا بلکہ پورے معاشرے میں بے چینی پیدا کرتا ہے۔

اسی لیے عوام حکومتِ وقت سے سوال کر رہے ہیں کہ آخر ایسے معاملات میں سخت اور فوری کارروائی کیوں نہیں ہوتی؟ اگر ملک میں نفرت انگیز تقاریر کے خلاف قوانین موجود ہیں، اگر فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرنے والوں کے خلاف کارروائی کی جا سکتی ہے تو پھر مذہبی شخصیات کی توہین کرنے والوں کے خلاف مزید مؤثر اقدامات کیوں نہیں کیے جاتے؟ یہاں ایک اور اہم سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں بار بار ایسے افراد سامنے آتے ہیں جو مذہبی جذبات کو بھڑکانے والے بیانات دیتے ہیں؟ کیا یہ محض اتفاق ہے یا پھر اس کے پیچھے کوئی ایسی سیاست کارفرما ہے جو نفرت اور تقسیم کے ماحول سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے؟

ہندوستان جیسے کثیر مذہبی ملک میں مذہبی ہم آہنگی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ایسے بیانات دیتا ہے جن سے معاشرے میں کشیدگی پیدا ہو تو اس کے اثرات

احوال وطن

بہت دور تک جاتے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ شہرت حاصل کرنے کے لیے مذہبی حساسیت کو ایک آسان راستہ سمجھنے لگے ہیں۔ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایسا بیان میڈیا کی سرخی بن جائے گا، سوشل میڈیا پر بحث چھیڑ دے گا اور چند دنوں کے لیے انہیں توجہ حاصل ہو جائے گی۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے الفاظ کروڑوں انسانوں کے جذبات کو مجروح کر رہے ہیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مذہبی احترام کسی بھی مہذب معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔

آج حکومتِ وقت محض وقتی بیانات تک محدود نہ رہے بلکہ ایک واضح اور مؤثر پالیسی اختیار کرے۔ ایسا قانون اور ایسا نظام وضع کیا جائے جو ہر مذہب کے مقدسات کو یکساں تحفظ فراہم کرے۔ اگر کسی مذہبی شخصیت کی توہین سے سماجی ہم آہنگی متاثر ہوتی ہے تو اس کے سدباب کے لیے سخت ترین قانونی اقدامات کیے جانے چاہییں۔ یہ مطالبہ کسی ایک مذہب یا ایک طبقے کا نہیں بلکہ پورے ملک کے امن اور استحکام کا تقاضا ہے۔

اس موقع پر مسلمانوں کو بھی صبر، حکمت اور بصیرت کے ساتھ آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ میں پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں اور آج پھر عرض کر رہا ہوں کہ جذبات کی شدت اپنی جگہ لیکن فیصلے ہمیشہ عقل، حکمت اور قانون کے دائرے میں رہ کر ہونے چاہییں۔ اگر کسی معاملے میں قانونی کارروائی تاخیر کا شکار ہو تو اس کے خلاف جمہوری اور آئینی انداز میں آواز بلند کی جانی چاہیے۔ احتجاج کیا جائے، یادداشتیں پیش کی جائیں، قانونی راستے اختیار کیے جائیں اور اجتماعی طور پر حکومتِ وقت سے مطالبہ کیا جائے کہ ایسے عناصر کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر ایسے حساس معاملات میں بروقت کارروائی نہ ہو تو عوامی بے چینی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لیے حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے اور ایسے معاملات کو سیاسی عینک سے دیکھنے کے بجائے قومی یکجہتی اور سماجی امن کے تناظر میں حل کرے۔ سیاست کے میدان میں بھی اس مسئلے پر سنجیدگی کی ضرورت ہے۔

کیا سیاست کی روٹی سینکنے کے لیے بار بار مسلمانوں کے جذبات کو نشانہ بنایا جاتا رہے گا؟ کیا نفرت اور اشتعال انگیزی کے ذریعے عوامی توجہ حاصل کرنے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا؟ کیا ملک کی سیاسی جماعتیں اس مسئلے پر ایک واضح اور مشترکہ مؤقف اختیار نہیں کر سکتیں؟ یہ وہ سوالات ہیں جو آج عام مسلمان کے ذہن میں گردش کر رہے ہیں۔

مسلمانانِ ہند کا مطالبہ بالکل واضح ہے۔ وہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے یہ چاہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے خلاف سخت قانونی کارروائی کی جائے تاکہ مستقبل میں کسی کو بھی ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہ ہو۔ وہ چاہتے ہیں کہ مذہبی احترام کو قومی پالیسی کا حصہ بنایا جائے اور ایسا ماحول قائم ہو جہاں ہر مذہب کے ماننے والے اپنے مقدسات کے احترام کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ گستاخانِ رسول کا انجام تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔

وقتی شہرت اور وقتی شور و غوغا شاید کسی کو چند دنوں کے لیے نمایاں کر دے لیکن عزت و احترام ہمیشہ انہی لوگوں کے حصے میں آتا ہے جو دوسروں کے عقائد کا احترام کرتے ہیں۔ نفرت، اشتعال اور توہین کبھی بھی کسی معاشرے کی تعمیر نہیں کر سکتے۔ آج وقت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنے عشقِ رسول ﷺ کو حکمت، اتحاد اور قانونی جدوجہد کے ساتھ جوڑیں۔ اجتماعی طور پر حکومت وقت سے مطالبہ کریں کہ وہ مؤثر قانون سازی کرے، موجودہ قوانین پر سختی سے عمل درآمد کرائے اور ایسے عناصر کے خلاف فوری کارروائی کرے جو مذہبی جذبات سے کھیلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ رب العزت ہمارے دلوں میں اپنے محبوبِ دو جہاں ﷺ کی محبت و عقیدت کو ہمیشہ زندہ رکھے، ہمیں صبر و استقامت، حق بات کہنے کی توفیق، اتحاد و یکجہتی کی دولت سے مالا مال فرمائے، قانونی اور پُرامن طریقے سے ناموسِ رسالت ﷺ کے تحفظ کی کرنے والوں کے لئے آسانیاں پیدا فرمائے اور ہمیں حدیثِ مبارکہ "لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی أَکُونَ أَحَبَّ إِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِینَ" کا سچا مصداق بنائے، آمین۔ ☐☐☐

از: مولانا محمد عامر فضیل مرکزی *

کیا مندر اور مزارات پر ایک جیسے کام ہوتے ہیں؟

روحانیت اور عبادت، نوعِ انسانی کی قلبی و باطنی تسکین کا وہ سرچشمہ ہے جسے ہر مذہب اپنے عقائد و نظریات کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ تاہم، ہر ملت و مسلک میں "عبادت" کا مفہوم اور "مرکزِ عقیدت" کا دائرۂ کار یکساں نہیں ہوتا۔ اسلام، جس کی بنیاد عقیدۂ توحید پر استوار ہے، بندگی کو صرف اور صرف ذاتِ واحد، خالق کائنات، اللہ رب العزت کے لیے خاص قرار دیتا ہے؛ جب کہ دیگر ادیان میں شرک، تعددِ آلہہ اور تجسیم معبود کے خرافاتی تصورات پائے جاتے ہیں۔

برصغیر کے مذہبی و سماجی ماحول میں حالیہ کچھ عرصہ سے ایک فکری انحراف اور علمی بے بصری کا چلن عام ہوتا جا رہا ہے کہ بعض سادہ لوح یا مغرض افراد اسلامی مزارات کو ہندوانہ مندروں کے مماثل ٹھہرا کر سادہ ذہنوں میں تردد پیدا کرنے کی لا حاصل کوشش کر رہے ہیں۔ حالاں کہ مزار اور مندر کے مابین زمین و آسمان بلکہ حق و باطل کا فاصلہ ہے۔ ایک مرکزِ دعا، فیضانِ روحانیت اور تربیتِ قلب و باطن ہے، تو دوسرا بت پرستی، شرک اور مجسمہ پرستی کا گڑھ۔

اس مقالے میں ہم مندر اور مزارات پر ہونے والے افعال کے مابین فرق کو واضح کریں گے، تا کہ حقیقت کا ادراک ہو اور مغالطے دور ہوں اور اس سلسلے میں دیابنہ و اہل حدیث کے مغالطات کا جواب بھی سپرد قرطاس کریں گے۔ وما توفیقی الا باللہ!

مندر کی حقیقت

مندر سنسکرت زبان سے ماخوذ اسم ہے، اردو میں عربی رسم الخط کے ساتھ بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہندوستان میں ہندو اپنے دیوتاؤں کی مورتیاں رکھتے ہیں اور پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ (اردو لغت ملخصاً) اس سے معلوم ہوا کہ ہندوؤں کے عبادت خانے کو مندر کہتے ہیں۔ ہندو قوم وہاں جا کر اپنے مختلف دیوی دیوتا کی پرستش کرتی ہے اور اس کو سجدہ کرتی ہے اور اس سے حقیقی حاجت روا سمجھ کر مدد مانگتی ہیں اور انہیں نفع و نقصان کا مالک جانتی ہیں جو کہ اسلامی نقطہ نظر اور عقیدۂ توحید کے بالکل ہی خلاف ہے۔ اس لئے وہاں جانا شرعاً ناجائز و حرام ہے۔

مزار کی حقیقت اور وہاں حاضری کا ثبوت شرعی

مزار عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی ہیں "زیارت کی جگہ" اسلامی اصطلاح میں مزار اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کسی ولی، بزرگ، عالمِ دین، شہید یا کسی نیک شخصیت کو دفن کیا گیا ہو۔ اس کو درگاہ، آستانہ یا روضہ بھی کہا جاتا ہے۔ وہاں مسلمان آخرت کی یاد تازہ کرنے اور ایصال ثواب کرنے کے لئے، دعاؤں کی قبولیت اور روحانی سکون اور صاحب مزار کے فیوض و برکات حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوتے ہیں اور شرع مطہرہ میں اس کی اجازت بھی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

" قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها۔ (رواہ مسلم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن تم اب اس کی زیارت کیا کرو۔" (کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے)

خود ہمارے نبی کریم ص صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہداء احد کی قبروں پر ہر سال تشریف لے جاتے تھے جیسا کہ تفسیر در منثور میں ہے:

" عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عَلَى رَاسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُولُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَ الدَّارِ وَالْخُلَفَاءِ الاَرْبَعَةُ هٰكَذَا كَانُوا يَفْعَلُونَ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ ہر سال شہدا کی قبروں پر

تشریف لے جاتے اوران کوسلام فرماتے تھے اور چاروں خلفارضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔"

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ شہداء اور نیک بندوں کی قبر پر جا کر دعا کرنا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ کی سنت ہے، جبکہ مندر میں جانے سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے بلکہ توڑنے کا حکم نافذ فرمایا ہے، تو وہ لوگ عقل سے کام لے جو مندر اور مزار کو ایک کہتے ہیں اور اللہ والوں کی بارگاہ سے عوام کو متنفر کرنے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں حالانکہ دونوں میں فرق مثل آفتاب آشکار ہے لیکن پھر بھی اپنی دکان چلانے کے لئے عوام کو دھوکا دیتے ہیں اور اس شعر کے مصداق بنتے ہیں۔ ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی بات چیت
بنتی نہیں ہے خلق کو دھوکا دیئے بغیر

کیامزارات پر صرف شرک ہوتا ہے؟

چند مہینے ہوئے کہ رفیق محترم مولانا قاسم مرکزی صاحب نے ایک پوسٹر بھیجا جو دیوبندیوں کی جانب سے شائع ہوا تھا جس میں لکھا ہوا تھا:

" آج لوگ کہتے ہیں مزار پر حاضری دو کہ وہاں فیض ملتا ہے لیکن میں کہتا ہوں آج وہاں صرف کھل عام شرک ہی ہوتا ہے، بوسہ دینا ایک شرک، سجدہ کرنا دوسرا شرک، غیر اللہ سے مانگنا تیسرا شرک، کیوں کہ قرآن مجید میں صراحتاً ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (سورۂ اعراف 194) ترجمہ: بے شک وہ جنہیں تم اللہ کے سوا مدد کے لئے پکارتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں تو تم انہیں پکارو پھر اگر تم سچے ہو تو انہیں چاہیے کہ وہ تمہیں جواب دیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ-وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْــٴًـا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ- (سورۂ حج) ترجمہ: بے شک اللہ کے سوا جن کو تم مدد کیلئے پکارتے ہو وہ ہرگز ایک مکھی (بھی) پیدا نہیں کرسکیں گے، اگرچہ سب اس کیلئے جمع ہوجائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کرلے جائے تو اس سے چھڑا نہ سکیں گے۔"

جواب: معترض دیوبندی نے اس پوسٹر میں چار باتیں کہیں ہیں جو قابل غور اور تردید ہیں، اوّل: مزار پر کھلے عام صرف اور صرف شرک ہی ہوتا ہے۔ دوم: مزار کو بوسہ دینا شرک۔ سوم: مزار کو سجدہ کرنا شرک۔ چہارم: اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک اور بطور دلیل دو آیات کریمہ پیش کی ہیں۔ اوّل: معترض کو چاہئے تھا کہ وہ اپنے دعویٰ کو (جبکہ وہاں کھلے عام صرف اور صرف شرک ہی ہوتا ہے) دلیل سے مزین کرتا لیکن معترض کے پاس کوئی دلیل نہیں، بس زبانی دعویٰ کردیا جس کا اصلاً کوئی ثبوت نہیں۔ ؎

نہ دیکھا ہے نہ پڑھا ہے فقط الزام لے آئے
یہی انداز دشمن ہے یہی انعام لے آئے

کیامزار کو بوسہ دینا اور سجدہ کرنا شرک ہے؟

دوم—سوم: مزار کو بوسہ دینے کو شرک سے تعبیر کرنا یہ اس کے جہالت کا بین ثبوت ہے۔ اوّلاً فتاوی عالمگیری جلد 5 صفحہ 351 میں ہے: ولا باس بتقبیل قبر والدیه۔ والدین کے قبر کو بوسہ دینے میں حرج نہیں۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند آن لائن جواب نمبر 35942 میں ہے: ہاں اگر کوئی تنہائی میں فرط محبت و عقیدت کی بنا پر والدین کے قبر کو بوسہ لے تو غریب روایت کی بنا پر گنجائش ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ قبر کو بوسہ دینا شرک نہیں اور اگر معترض شرک مانتا ہے تو بتائے تنہائی میں گنجائش کیوں؟ جیسا کہ فتاویٰ دیوبند میں ہے، حالانکہ شرک کا حکم تنہائی اور مجمع میں یکساں ہے۔ ثانیا حفظ الایمان صفحہ 6 پر درمختار کے حوالے سے منقول ہے:

"وکذاما یفعلونه من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی به آثمان لانه یشبه عبادة الوثن وهل یکفر ان علی وجد العبادة والتعظیم کفر ان علی وجه التحیة لا وصار آثما مرتکبا لکبیرة۔

(ترجمہ) اور اسی طرح جو لوگ زمین بوسی کرتے ہیں علما اور

سرداروں کے سامنے حرام ہے کرنے والا راضی ہونے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں کیونکہ یہ عبادت بت کے مشابہ ہے اور ایا وہ کافر ہو جائے گا یا نہیں سوا گر بطریق عبادت اور تعظیم ہو تب تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر بطور تحیۃ وسلام کے ہو تو کافر نہ ہوگا۔"

اس میں صاف ہے کہ بوسہ دینے والا کافر نہ ہوگا جبکہ بطور تحیۃ وسلام کے ہو، اس کو شرک کہنا جہالت اور اصول دین سے نا واقفیت ہے۔ کوئی بھی مسلمان بزرگان دین کے قبر کو سجدہ بطور عبادت نہیں کرتا اور یہ ان سے متصور بھی نہیں ہے۔ اہل سنت والجماعت بریلوی کا موقف وہی ہے جو درمختار سے منقول ہوا اس کی پوری تفصیل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "الزبدۃ الزکیۃ فی حرمۃ السجدہ والتحیۃ" میں مسطور ہے، جس کا جی چاہے مطالعہ کر لیں۔

چہارم: غیر اللہ سے مدد مانگنے کو شرک کہنا یہ بھی اصول شرع کے خلاف ہے کیونکہ غیر اللہ سے مدد مانگنا شرعاً جائز قرآن و احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے: وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ۔ (التوبہ (1) دوسری جگہ فرماتا ہے: نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ. (فصلت (۲) معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بھی مددگار ہے اور مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے کے، مگر رب تعالیٰ بالذات مددگار اور یہ بالعرض۔ رہی بات اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر مانگنا جائز ہے یا نہیں اس کے سلسلے میں مشکوٰۃ شریف (باب زیارۃ القبور) کے حاشیہ میں ہے:

"وَأَمَّا الْإِسْتِمْدَادُ بِأَهْلِ الْقُبُورِ فِي غَيْرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوِ الْأَنْبِيَاءِ فَقَدْ أَنْكَرَهُ كَثِيرٌ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَاثبته الْمَشَائِخُ الصُّوفِيَّةُ وَبَعْضُ الْفُقَهَاءِ قَالَ الْإِمَامُ الشَّافِعِيُّ قَبْرُ مُوسَى الْكَاظِمِ تِرْيَاقٌ مُجرب لاجَابَةِ الدُّعَاءِ وَقَالَ الْإِمَامُ الْغَزَالِيُّ مَنْ يُسْتَمَدُّ فِي حَيَاتِهِ يُسْتَمَدُّ بَعْدَ وَفَاتِهِ. (ترجمہ) نبی علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام کے علاوہ اور اہل قبور سے دعا مانگنے کا بہت سے فقہا نے انکار کیا اور مشائخ صوفیہ اور بعض فقہانے اس کو ثابت رکھا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ موسیٰ کاظم کی قبر قبولیت دعا کے لئے ازمودہ تریاق ہے اور امام محمد غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاسکتی ہے۔ اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جاسکتی ہے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیائے کرام سے مدد مانگنے میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ قبور اولیاء اللہ سے مدد مانگنے میں اختلاف ہے، علمائے ظاہرین نے انکار کیا ہے لیکن صوفیاء کرام اور فقہاء اہل کشف نے جائز فرمایا۔ حصن حصین صفحہ ۲۰۲ میں ہے:

"وَإِنْ أَرَادَ عَوْنًا فَلْيَقُلْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ أَعِيْنُونِي يَا عِبَادَ اللّٰهِ أَعِيْنُونِي يَا عِبَادَ اللّٰهِ أَعِيْنُونِي. جب مدد لینا چاہے تو کہہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔"

مزید برآں ہمارے بزرگان دین کا اس پر عمل بھی ہے کہ وہ مشائخ کی قبر پر حاضری دیتے ہیں اور ان سے استعانت کرتے ہیں اور ان کے وسیلے سے رب تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں جیسا کی درمختار کے حوالے سے بہار شریعت جلد 3 ص 1045 پر ہے:

"امام شافعی علیہ الرحمہ کا بارگاہ امام ابوحنیفہ (علیہ الرحمہ) میں ادب و احترام کا یہ عالم تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور آپ کی قبر پر حاضری دیتا ہوں اور جب مجھے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت نماز نفل ادا کرتا ہوں اور ان کی قبر کے قریب آ کر اس کے حل کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو میری حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے۔"

کیا معترض دیوبندی امام شافعی اور دیگر مشائخ جو اس کو جائز سمجھتے ہیں مشرک کہنے کی جسارت کرینگے نہیں ہرگز نہیں تو!

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو جا یا پھر سنگ ہو جا

اور معترض نے جن دو آیت کو غیر اللہ سے استعانت کے شرک ہونے پر بطور استدلال پیش کیا ہے، اس بقیہ ص ۲۳ / پر

تصنیف: امام فقیہ ابواللیث نصر ابن محمد سمرقندی
ترجمہ: علامہ مفتی محمد صالح قادری بریلوی*

فکر آخرت

سینتالیسویں قسط

گزشتہ سے پیوستہ

نتیجہ: (فقیہ یعنی مصنف علیہ الرحمہ نے کہا) خبر مذکور میں اس بات پر دلیل ہے کہ قطع رحم، عظیم گناہ ہے (نہ کہ کوئی معمولی خطا) کیونکہ اس سے اور اس کے ہم نشینوں سے رحمت کا نزول رُکا رہتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ (بے وجہ شرعی) قطع رحم سے توبہ کرے اور اللہ سے استغفار کرے اور (قطع رحم سے باز آئے اور) صلۂ رحمی کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اوپر والی (پہلی) حدیث میں صاف بیان فرمادیا ہے کہ صلہ رحمی بندہ کو رحمت سے قریب کرنے اور دوزخ سے دور رکھنے کا ذریعہ ہے۔

کون سا عمل دُنیا میں جزا یا سزا دِلانے میں سب سے تیز؟

حدیث شریف: ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مامن حسنة اعجل ثواباً... الحدیث۔ (ترجمہ) کوئی بھی حسنہ بہ نسبت صلہ رحمی کے زیادہ جلدی ثواب دلانے والی نہیں ہے اور کوئی بھی گناہ بہ نسبت بغاوت وقطع رحم کے زیادہ لائق نہیں اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب مرنے سے پہلے پہلے (دنیا میں بھی) ضرور سزا دے اور آخرت کا عذاب برقرار رکھے۔"

بدی کا بدلہ نیکی سے دینا چاہیے

حدیث شریف: مصنف اپنے شیخ ابوالقاسم ابن محمد سے سن کر، باسناد تام، بطریق حجاج ابن ارطاۃ، حضرت عمرو ابن شعیب سے راوی ہیں۔ عمرو نے بتوسط والد گرامی اپنے دادا سے نقل فرمایا کہ ایک صاحب بارگاہ نبوت میں حاضر آئے، عرض کیا: (حضور!) میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں تو اُن کے ساتھ صلہ کرتا ہوں، وہ مجھ سے قطع تعلق رکھتے ہیں (مجھ سے کٹے کٹے رہتے ہیں) میں درگذر کرتا ہوں اور وہ زیادتی کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بدسلوکی کرتے ہیں، تو کیا (اجازت ہے کہ) میں بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کروں جیسا وہ کررہے ہیں؟ (یعنی بدی کا بدلہ بدی سے دوں؟) فرمایا: نہیں، تب تو تم اور وہ سب کے سب (بُرائی میں) برابر کے شریک ہوجاؤ گے۔ بلکہ تو (بدستور) فضیلت اختیار کر، صلہ رحمی کئے جا۔ جب تک اس رویہ پر تو قائم رہے گا، اللہ کی طرف سے ایک مددگار برابر تیرے شامل حال رہے گا۔

تین شریفانہ اخلاق، اہل جنت کے اخلاق سے ہیں

خبر بزرگاں: کہا جاتا ہے کہ اہل جنت کے اخلاق سے تین خُلق ایسے ہیں وہ صرف کریم (یعنی معزز وشریف) ہی میں پائے جائیں گے:

(۱) بدسلوک آدمی کے ساتھ بھی احسان کرنا۔ (۲) اس شخص سے بھی درگذر کرنا جس نے اس پر ظلم کیا۔ (۳) اور بذل (یعنی مال یا جسمانی محنت) صرف کرنا اس کے لئے جس نے (اپنی مالی یا جسمانی راحت رسانی سے) اِس کو محروم رکھا تھا۔

اللہ کے محو واثبات کا معنی؟

تفسیری قول: مصنف باسناد تام امام ضحاک سے راوی کہ آپ نے آیۂ کریمہ: ﴿یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثۡبِتُ وَعِنۡدَہٗۤ اُمُّ الۡکِتٰبِ﴾ کی تفسیر میں (بطور تفہیم بالتمثیل) فرمایا: آدمی صلہ رحمی کرتا ہو اور حال یہ ہو کہ اس کی عمر کے تین دن باقی بچے ہوں تو اللہ تعالیٰ (صلہ رحمی کی برکت سے) اس کی عمر میں تیس سال کا اضافہ فرمادے گا اور کوئی آدمی قطع رحم کرتا ہو اور حال یہ ہو کہ اس کی عمر سے ابھی تیس سال باقی ہوں تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی

عمر گھٹا کر تین دن کر دے گا۔(یہ ہے مطلب محو و اثبات کا)

تین اہم باتیں

حدیث شریف: سیدنا ثوبان سے مروی ہے کہ حضور پر نور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا یرد القدر الا الدعاء ولا یزید فی العمر الا البِرّ، وان الرجل لیحرم الرزق بالذنب یصیبہ-(ترجمہ) تقدیر الٰہی کو دعا کے علاوہ کوئی چیز نہیں ٹالتی۔اور عمر میں اضافہ، بِر (یعنی بھلائی، نیک سلوکی) کے علاوہ کوئی چیز نہیں کرتی، اور بے شک جو کوئی آدمی رزق سے محروم رہتا ہے تو اس کی یہ مصیبت ضرور گناہ کی وجہ سے آئی ہوگی۔"

تقویٰ وصلہ رحم کی تین برکتیں

مضمون حدیث: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت آئی ہے فرمایا: جو بندہ اپنے رب سے ڈرتا (متقی) ہو اور صلہ رحمی کرے (وہ ضرور مستحق ہے کہ) اس کی عمر بڑھا دی جائے اور مال اس کا کثیر ہو (بابرکت ہو) اور اس سے اس کے متعلقین (اہل خانہ وغیرہ) محبت رکھیں۔

نیکی سے عمر بڑھ جاتی ہے، اس کا کیا مطلب؟

توضیح: (مصنف علیہ الرحمہ نے کہا:) عمر کے بڑھنے میں علما کی رائیں مختلف آئی ہیں۔ بعض نے کہا کہ مضمون خبر اپنے ظاہر پر محمول ہے کہ جو صلہ رحمی کرے گا اس کی عمر بے شک زیادہ کردی جائے گی (مثلاً تین سے تیس) اور بعض نے کہا کہ اجل میں اضافہ نہیں ہوگا۔(کیونکہ اجل ہے موت کا مقررہ وقت کہ بندے کے لئے مقرر کردیا گیا ہے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ- (ترجمہ) پھر جب اُن کا وعدہ آئے گا، نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹیں نہ آگے بڑھیں۔" [سورۂ نحل-۶۱/ کنزالایمان]

بلکہ زیادۃ فی العمر کا معنی یہ ہے کہ اس کا ثواب بعد موت بھی لکھا جاتا رہے گا تو جب مرنے کے بعد بھی اس کے لئے ثواب لکھا جا رہا ہے تو گویا اس کی عمر بڑھ گئی۔

.........جاری

ہر سو خوشی کی لہر ہو، ہر کو بہ کو فَلْيَفْرَحُوْا

(از: احمد رضا حمران مرکزی، بریلی شریف

ہر سو خوشی کی لہر ہو، ہر کو بہ کو فَلْيَفْرَحُوْا
آئی بہارِ رنگ و بو، بس چار سو فَلْيَفْرَحُوْا

برسی ہے رحمت ہر طرف، نکھرا ہے عالم کا شباب
بدلی ہے دنیا کی فضا ہے مشکبو فَلْيَفْرَحُوْا

کوئے نبی کی نکہتوں سے جگمگا اٹھی زمیں
ہر گام دشت و در ہوئے یوں مشکبو فَلْيَفْرَحُوْا

تاریکیاں رخصت ہوئیں، انوار کا ہے غلغلہ
خورشید دیں تابندہ ہے اب روبرو فَلْيَفْرَحُوْا

روشن ہوئی ہیں ظلمتیں، بدلی ہے دنیا کی فضا
مٹ جائے اب غم کی حریفِ گفتگو فَلْيَفْرَحُوْا

رحمت کا بادل چھا گیا، دشت وجبل شاداب ہیں
سرسبز ہیں بستان وگل، اے لالہ رو فَلْيَفْرَحُ

بدر الدجیٰ کی روشنی سے جگمگایا ہر دیار
پوری ہوئی ہے اب ہماری آرزو فَلْيَفْرَحُوْا

انسان کو عظمت ملی، حوا کو بھی عزت ملی
پیدا ہوا ذوقِ نمو، تشنہ سبو فَلْيَفْرَحُوْا

شاہِ عرب کے فیض سے دامن بھرے محتاج کے
باقی نہ اب کوئی گلا، نہ گفتگو فَلْيَفْرَحُوْا

صلِ علیٰ کی دھن لگی، ہر لب ہے نغمہ سنج اب
محوِ ترنم نغمہ گو، باھُو بہ ھُو فَلْيَفْرَحُوْا

فرشِ زمیں سے تا فلک صلِ علیٰ کا شور ہے
اے نغمہ گو قائم رہے یہ آبرو فَلْيَفْرَحُوْا

امید کے فانوس اب جلنے لگے ہیں ہر طرف
روشن ہوا بابِ کرم، با آرزو فَلْيَفْرَحُوْا

بزمِ جہاں میں آگئی روحِ حیاتِ جاوداں
تشنہ نہ اب کوئی رہے جام و سبو فَلْيَفْرَحُوْا

رحمت کا دریا بہہ گیا، حمران کے غم مٹ گئے
موجِ تبسم چھا گئی ہے سو بہ سو فَلْيَفْرَحُوْا

ایس، آئی، آر، کی کارروائی اور علما کی ذمہ داری

(از: انصار احمد جامی نوری
دارالعلوم نوریہ اہل سنت بدرالاسلام برہان پور

مدھیہ پردیش سمیت جن 12 صوبوں میں SIR کی کارروائی جاری ہے، وہاں ایس، آئی، آر، کے فارم بھرنے کے سلسلے میں عوام بہت مضطرب اور شک وشبہ میں مبتلا ہیں، پڑھا لکھا طبقہ اگرچہ تعاون کے لئے میدان میں اتر چکا ہے لیکن پھر بھی عوام کو وہ تعاون نہیں مل رہا ہے جو انہیں مطلوب ہے، عوام کی مشکلات حل کرنے اور انہیں سہولت پہنچانے کے لئے علمائے کرام، ائمہ عظام اور جملہ دانشورانِ قوم وملت کو اس سلسلے میں ٹیم ورک کے ذریعہ عوام کو مدد پہنچانا بہت ضروری ہے۔

لہٰذا علما، ائمہ، خطبائے منبر ومحراب سے اور ٹیچرز، وکلا، ڈاکٹرز، انجیرز، فیلڈ ورک کے ذریعہ عوام کو بیدار کریں، SIR کی اہمیت اور افادیت کو سمجھائیں اور اس آزمائش میں غفلت اور لاپرواہی کے نتائج بد سے انہیں قبل از وقت ہوشیار کریں، اس کارِ اہم میں لاپرواہی کی کُڑھن اُن لوگوں کے ذریعہ محسوس کریں جن کے آبا واجداد کے نام 2003 کی ووٹر لسٹ میں نہیں آئے، ایسے لوگ آج اس قدر پریشان اور بے چین نظر آتے ہیں کہ ان پر ترس آجاتا ہے، اس لئے اگر آج والوں نے اُن دکھ کے ماروں سے سبق نہیں سیکھا اور اپنے خاندان کا نام 2025 کے SIR میں درج نہیں کرایا تو مستقبل میں ان کی نسلوں کو بھی یہ خمیازہ بھگتنا پڑ سکتا ہے۔

لہٰذا ابھی وقت ہے جنگی پیمانے پر سب کھڑے ہو جائیں اور اس کام میں ایک دوسرے کی مدد کریں فارم بھرنے والے پہلے اچھی طرح فارم بھرنا سیکھ لیں، احتیاطاً پہلے فوٹو کاپی کو بھریں پھر اس کی کسی قابل یا بی، ایل، او، سے تصدیق کرالیں جب وہ اس کی تصدیق کر دیں تب اوریجنل فارم پُر کریں، تاریخ پیدائش اور ناموں کی اسپیلنگ بالکل صحیح لکھیں، کل جن لوگوں نے آدھار کارڈ میں اپنا نام صحیح نہیں لکھوائے تھے، آج جب وہ درست کرانے کے لئے جاتے ہیں تو انہیں یہ کہہ کر مایوس واپس کر دیا جاتا ہے کہ تم تو اپنا نام بدل رہے ہو؟

لہٰذا مستقبل میں اس طرح کی کوئی مصیبت آپ کے یا آپ کے بچوں کے سر پر نہ آئے، اس کے لئے ابھی احتیاط کرنا بہت ضروری ہے، لہٰذا کوشش کریں کہ آپ کے علاوہ آپ کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں سے کسی ایک فرد کا نام بھی نہ چھوٹے، سب کے نام 2025ء کی ایس، آئی، آر، والی ووٹر لسٹ میں شامل ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

❑❑❑

صحابہ کرام کی شان میں بدزبانیوں پر خاموشی کیوں؟

(از: مولانا محمد زاہد علی مرکزی
چیئرمین، تحریک علمائے بندیل کھنڈ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں ہونے والی گستاخیوں، الزام تراشیوں اور بدزبانی پر اگر کوئی شخص صرف اس خوف سے خاموش رہتا ہے کہ لوگ اسے برا بھلا کہیں گے یا اس کی مقبولیت متاثر ہو جائے گی، تو یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے۔ ہم تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ ان کے بارے میں ہونے والی ہر بدتمیزی کا جواب دلیل، ادب اور حق کے ساتھ دیتے رہیں گے، ان شاء اللہ۔

اگر اس راہ میں کوئی ہمیں برا بھلا کہے یا ہمارے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کرے تو اس سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ عزت اور ذلت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ حقیقی عزت وہی عطا فرماتا ہے، اور اسی کے ہاں اس کی قدر ہے۔ رہی بات گالیوں، طعن وتشنیع اور مخالفت کی، تو یہ حق کی راہ چلنے والوں کے لیے کوئی نئی چیز نہیں۔ جو لوگ اپنے مریدوں، عقیدت مندوں یا اپنی نام نہاد عزت وشہرت کے تحفظ کے لیے خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں، وہ اپنی عزت انہی کے دروازوں پر تلاش کریں۔

ہمیں اپنی عزت نہ کسی پیر سے چاہیے، نہ کسی جماعت سے اور نہ ہی کسی ہجوم کی تائید سے۔ ہمارا اسر اللہ تعالی بقیہ ص ۳۷ پر

دو عالم میں بٹتا ہے فیض ان کے در کا

(از: سید خادم رسول عینی، بھدرک، اڑیسہ

جونہی حکم آئے شہِ بحر و بر کا

نہ ہو عذر لب پر اگر اور مگر کا

سخاوت نبی کی نہیں رکھتی سرحد

دو عالم میں بٹتا ہے فیض ان کے در کا

ہوا خیر کا بول بالا جہاں میں

کٹا ان کی آمد سے سر جسمِ شر کا

علی الغیب آیت سے ثابت ہوا یہ

ہے علم ان کو ہر ایک غیبی خبر کا

بنیں دشت باغات، باغاتِ جنت

بیاں کیا ہو ان کے قدم کے اثر کا

شفاعت سے ان کی ملا امن قلبی

تھا ماحول ہر سمت محشر میں ڈر کا

بقیہ ص ۴۰ پر

ہونے ہی نہیں دیتے غمگین شہ سمناں

(از: مولانا اشرف رضا قادری، بریلی شریف

افکار کی کرتے ہیں تزئین شہ سمناں

ہیں ہر دل عاشق کی تسکین شہ سمناں

عشاق کے چہروں پر کیونکر نہ خوشی چھائے

ہونے ہی نہیں دیتے غمگین شہ سمناں

کچھ بھی ہو در شہ سے رشتہ نہ کبھی ٹوٹے

ہر دم یہی کرتے تھے تلقین شہ سمناں

ہے مجھ کو یقیں ہوگی مقبول دعا میری

اک بار اگر کہہ دیں آمین شہ سمناں

چشمانِ عنایت کی اب سخت ضرورت ہے

حالات ہیں بھارت کے سنگین شہ سمناں

اس کے ہی اجالوں میں طے اپنا سفر کرنا

بخشے جو تصوف کو آئین شہ سمناں

بقیہ ص ۳۴ پر

جو گدا ہے شاہ کے دربار کا

(از: قاری محمد نعیم الدین قادری گلابپوری

مہکا مہکا ہے چمن سنسار کا

صدقہ ہے یہ گیسوئے خمدار کا

حسنِ دنیا کی کوئی وقعت نہیں

سامنے ہو حسن کوئے یار کا

پھیکی پڑ جائے چمک مہتاب کی

دیکھ لے رخ گر مرے سرکار کا

چوم کر بولے یہ جبریلِ امیں

خوب ہے تلوا شہِ ابرار کا

چشمِ رحمت جب ہوئی سرکار کی

حسن نکھرا ہے مرے افکار کا

مرتبہ کیا پوچھیے اس شخص کا

جو گدا ہے شاہ کے دربار کا

بقیہ ص ۴۰ پر

میں ہوں سنی اور مری پہچان ہیں احمد رضا

(از: حسرت وحیدی، جامعہ تاج الشریعہ، بنارس

واقعی شعر و سخن کی شان ہیں احمد رضا

فضلِ مولا ہند کے حسان ہیں احمد رضا

میرا دل ہیں اور میری جان ہیں احمد رضا

میں ہوں سنی اور مری پہچان ہیں احمد رضا

گنبد و مینار عالی شان ہیں احمد رضا

بہر صورت جائے اطمینان ہیں احمد رضا

دست بستہ ہیں کھڑے سب پیکرِ حسن و جمال

ہاں جہانِ عشق کے سلطان ہیں احمد رضا

تیس جلدوں میں فتاویٰ رضویہ دے کر ہمیں

کر گئے ہم پر بڑے احسان ہیں احمد رضا

جامِ عشقِ مصطفیٰ ان کو بھی بھر کر دیجئے

جو بریلی میں ہوئے مہمان ہیں احمد رضا

بقیہ ص ۴۰ پر

منظومات

ناموسِ رسالت کے علمدار رضا ہیں

(از: محمد فرقان فیضی امام احمد رضا لائبریری، سرلاہی نیپال

اسلامی عقیدے کے نگہدار رضا ہیں
ناموسِ رسالت کے علمدار رضا ہیں

دنیا کے ہر اک لعنتی فتنے سے بچایا
آقا سے محبت کا سلیقہ بھی سکھایا
سرکار مدینہ کے وفادار رضا ہیں
ناموسِ رسالت کے علمدار رضا ہیں

ہم اہل عقیدت کو بکھرنے نہیں دیں گے
اسلام مخالف کو ابھرنے نہیں دیں گے
فاروق کی تلوار کی جھنکار رضا ہیں
ناموسِ رسالت کے علمدار رضا ہیں

ہم سنی ہیں ہم سب کو بریلی سے ہے نسبت
سرکار کی چوکھٹ سے حویلی سے ہے نسبت
ہم سب کیلئے تو گل گلزار رضا ہیں
ناموسِ رسالت کے علمدار رضا ہیں

ہر فن میں جنہیں رب نے عطا کی تھی مہارت
ہر حال میں جو کرتے رہے دیں کی حفاظت
وہ علم و عمل کے حسیں مینار رضا ہیں
ناموسِ رسالت کے علمدار رضا ہیں

ہر نجدی وہابی کے لئے جو ہیں تباہی
جس لشکر جرار کے اختر ہیں سپاہی
اس لشکر جرار کے سالار رضا ہیں
ناموسِ رسالت کے علمدار رضا ہیں

اے فیضی چلو نائب نعمان سے ملنے
یعنی کہ اسی ہند کے حسان سے ملنے
اس عہد میں سچائی کا معیار رضا ہیں
ناموسِ رسالت کے علمدار رضا ہیں

□□□

کس قدر اونچا ہے رتبہ حجۃ الاسلام کا

(از: مولانا پھول محمد نعمت رضوی، سرلاہی نیپال

دیکھ لیتا تھا جو جلوہ حجۃ الاسلام کا
دل سے ہو جاتا تھا شیدا حجۃ الاسلام کا

خود بڑے مولانا کہتے تھے انہیں احمد رضا
کس قدر اونچا ہے رتبہ حجۃ الاسلام کا

جو عشا پڑھتے تشہد میں ہوئے ہیں جاں بحق
واہ کیا رب سے تھا رشتہ حجۃ الاسلام کا

عربی دانی میں نہیں تھی جن کی کوئی بھی مثال
واہ کیا تھا علمی درجہ حجۃ الاسلام کا

اعلیٰ حضرت کے حقیقی جانشین خاص تھے
پوچھتے ہو مرتبہ کیا حجۃ الاسلام کا

منظر اسلام کے جو مہتمم اوّل ہوئے
ہر ادارے میں ہے چرچا حجۃ الاسلام کا

جس نے کی تعلیم حاصل اپنے والد سے فقط
اور دنیا بھر میں شہرہ حجۃ الاسلام کا

دیکھتے ہی کتنے بے دینوں نے کلمہ پڑھ لیا
خوبرو نورانی چہرہ حجۃ الاسلام کا

ہم پہ فیضان و کرم کی بارشیں ہونے لگیں
کھینچنے بیٹھا جو نقشہ حجۃ الاسلام کا

کہہ رہی ہے ساری دنیا جن کو جیلانی میاں
لاڈلا پیارا ہے بیٹا حجۃ الاسلام کا

اک سے بڑھ کر اک کتابیں جس نے ہے تصنیف کی
علم و حکمت میں ہے جلوہ حجۃ الاسلام کا

ہے چمکتا اور دمکتا منفرد انداز میں
قبہ رضوی میں روضہ حجۃ الاسلام کا

شاہ جیلانی میاں کا لاڈلا اختر رضا
ہے بہت پیارا نبیرہ حجۃ الاسلام کا

نجدیت کی بھیڑ میں مچ جاتی بالکل کھلبلی
جیسے ہی لگتا تھا نعرہ حجۃ الاسلام کا

بقیہ ص ۵۴ پر

لکھنؤ کا علمی وادبی سفر اور جامعہ امام اعظم

(از: مولانا محمد زاہد علی مرکزی
چیئرمین تحریک علمائے بندیل کھنڈ

ماہر علم وفن، استاذ العلما، خاندان صدر الشریعہ کے مہکتے پھول حضرت علامہ فیضان المصطفیٰ قادری دام ظلہ العالی کی دعوت پر بموقع رسم اجرا "ماہنامہ امام اعظم" 28 جون 2026 بروز اتوار بعد فجر حضرت مفتی سلمان خان مصباحی صاحب قبلہ (صدر مودہا یونٹ تحریک علمائے بندیل کھنڈ) اور حضرت قاری ذوالفقار صاحب قبلہ (مہتمم جامعہ خدیجۃ الکبریٰ و رکن تحریک علمائے بندیل کھنڈ) کے ہمراہ فقیر قادری لکھنؤ کے لیے روانہ ہوا۔

صبح دس بجے ہم لوگ جامعہ امام اعظم کے گیٹ پر پہنچے یہاں طلبہ کی ایک بڑی تعداد استقبال کے لیے پہلے سے ہی ہماری منتظر تھی، جیسے ہی ہم پہنچے طلبہ نے نعروں کے ساتھ اپنی محبتوں کا اظہار کیا۔ طلبہ میں خدمت علما کا جذبہ خوب تھا خصوصی طور پر سید حمزہ سلمہ (ممبئی) نے ہمارے پہنچنے سے لے کر روانگی تک خوب ساتھ دیا۔ بیچ بیچ میں سوالات بھی کرتے رہے جس سے ان کا علمی ذوق و شوق صاف جھلکتا دکھا۔ اللہ موصوف اور سبھی طلبہ کے علم وفضل میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے، آمین۔

ویسے تو علامہ غلام مصطفیٰ نعیمی کو ہم سے قبل ہی پہنچنا تھا لیکن حضرت ٹکٹ کی عدم دستیابی کی بنا پر حضرت ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی اور ریسرچ اسکالر مولانا حیدر رضا مصباحی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ساتھ قریب بیس منٹ کی تاخیر سے پہنچے۔ جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ انتظامی امور سنبھال رہے تھے اور مولانا ریحان المصطفیٰ صاحب ان سب کو لیڈ کر رہے تھے۔ چائے ناشتے سے فارغ ہوتے ہی مذکورہ مہمانوں کی آمد ہوئی اور ڈاکٹر صاحب بڑی محبتوں سے پیش آئے۔ آپ نے فرمایا کہ ملاقات تو پہلی ہے لیکن آپ کی تحریروں میں آپ کا عکس جھلکتا ہے، خوب دعائیں دیں اور آخر وقت تک نصیحتیں فرماتے رہے۔

اتنی بڑی شخصیت ہونے کے باوجود یہ لگا ہی نہیں کہ یہ پہلی ملاقات ہے۔ آپ کا لطیفانہ اور ناصحانہ انداز سب کو بھاتا ہے۔ مولانا حیدر رضا صاحب سے بھی پہلی ہی ملاقات تھی، ماشاء اللہ، وہ بھی بڑے خلیق وملنسار اور فکر رضا کے حامل سمجھ آئے۔ بعدہ، ڈاکٹر سجاد صاحب بنگال اور مولانا حنیف حبیبی صاحب اڑیسہ جو کہ وہاں پہلے ہی سے موجود تھے حضرت مفتی فیضان المصطفیٰ قادری دام ظلہ عالی کے ہمراہ تشریف لائے اور سیمینار کا خاکہ پیش کیا۔

ڈاکٹر سجاد صاحب قبلہ نے چند ہی منٹوں میں ہم سب کو عناوین دے کر کام پر لگا دیا، اب ایک بج چکا تھا، اللہ اکبر کی صدائیں کانوں میں رس گھولنے لگیں، سوا ایک بجے جماعت سے نماز ادا کی گئی اور کچھ دیر بعد ظہرانہ پیش کیا گیا۔ بعد طعام ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب قبلہ کی رضویات پر گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ اڑیسہ کے مولانا غلام محمد ازہری جنھوں نے جامعہ ازہر مصر میں "ساحۃ الامام احمد رضا" کا قیام کیا ہے تشریف لائے۔

موصوف ابھی جامعہ ازہر میں زیر تعلیم ہیں لیکن ان کے حوصلے نہایت بلند ہیں۔ ساحۃ الامام احمد رضا خان کا قیام اور اس کے سارے خرچ جیب خاص سے ہی ادا کر رہے ہیں، تھوڑا بہت اگر کہیں سے پہنچ گیا تو پہنچ گیا ورنہ سارا بھار ان کے ہی ذمے ہے۔ موصوف کے صرف حوصلے ہی بلند وبالا نہیں ہیں ان کی قد کاٹھی بھی بلند وبالا ہے شاید چھ فٹ یا اس سے زائد کا قد، مضبوط اعصاب ان کے عملی کاموں کے معاون ہیں۔ کافی دیر ان سے

گفتگو رہی، بہت ساری چیزیں بتائیں اور جامعہ ازہر وزٹ کی دعوت بھی دی۔ (ہم سب کو موصوف کے کام میں مالی تعاون کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہاں مزید فکر رضا کی ترسیل آسان ہو سکے) موصوف نے یہ بھی بتایا کہ قریب بیس سال پہلے مصر کے کسی مکتبہ سے آخری بار الدولۃ المکیہ شائع ہوئی تھی۔

اتنا لمبا عرصہ گزرا مگر دوبارہ اشاعت نہ ہوسکی۔اب کوششیں جاری ہیں جلد ہی اشاعت ہوگی۔چوں کہ موصوف کو بریلی شریف نکلنا تھا اس لیے وہ کچھ وقت ہمارے ساتھ گزار کر اور کچھ اہم باتیں شیئر کرکے بریلی شریف کے لیے روانہ ہو گئے۔گھڑی کی سوئی چار نمبر پر آ چکی تھی اور ساتھ ہی سید سہیل صاحب لکھنوی ثم دہلوی بھی حضرت علامہ نعیمی صاحب قبلہ سے ملاقات کے لیے تشریف لا چکے تھے۔ہماری ان سے بھی پہلی ہی ملاقات تھی لیکن نعیمی صاحب نے جب ہمارا تعارف کرایا تو معلوم ہوا کہ سید صاحب سے ہمارے بھی غائبانہ تعلقات ہیں، سید صاحب ہماری تحریریں بھی خوب پڑھتے ہیں۔

نعیمی صاحب نے سید صاحب کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ سید صاحب کثیر المطالعہ، علما دوست اور نہایت منکسر المزاج ہیں، کچھ دیر کی گفتگو کے بعد یہ بات سچ ثابت ہوئی کہ سید صاحب کو جیسا بتایا گیا ویسے ہی ہیں۔سید سہیل صاحب اور سید حمزہ سلمہ کے ساتھ اب وقت تھا لکھنؤ کی سَیر کا۔چوں کہ پانچ سات لوگ تھے اور جگہ جگہ شہر میں گاڑی پارکنگ کا مسئلہ ہوتا اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ ای رکشہ سے ہی لکھنؤ کیا جائے۔تو سب سے پہلے خلیفہ حضور تاج الشریعہ حضرت قاری خالد صاحب قبلہ کے مدرسے (بیلو کا احاطہ) کے لیے نکلے۔

قاری صاحب کے علاقے پہنچتے ہوئے ہمیں اصلی لکھنؤ دیکھنے کو ملا، حکومت کی دیکھ بھال اور اس علاقے کے ممبر، ودھایک اور چُھٹ بھیے نیتاؤں کی حیثیت سمجھ آ گئی یا یوں کہ لیں کہ ان کی نظروں میں مسلمانوں کی اہمیت سمجھ آ گئی۔سات آٹھ فٹ کے روڈ تھے، وہاں کی انتظامیہ نے شاید جگہ کم ہونے کی وجہ سے نالیاں نہیں بنوائیں اس لیے پانی سڑکوں پر اپنی پَہوتی ثابت کرتا ہوا دکھا، ہم سوچ رہے تھے کہ جب عام دنوں کا یہ حال ہے تو بارش میں یہاں شاید اسٹیمر کے بغیر نکلنا ممکن ہی نہ ہوگا، یوں بھی کہ سکتے ہیں لکھنؤ والے گھر بیٹھے ہی ندیوں کا مزہ لے لیتے ہیں۔

ہم نے جب یہ حال دیکھا تو ہم سب کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا "مسکرائیے آپ لکھنؤ میں ہیں" پانی کے لگاتار سڑک پر بہاؤ کی بنا پر سڑکیں گڑھوں میں بدل گئی تھیں۔اس پر مستزاد یہ کہ ای رکشہ کی سواری (جو بغیر کمانی کے ہوتا ہے) بس یہ سمجھیں کہ "ایک تو کریلا اوپر سے نیم چڑھا" سڑکوں کی یہ حالت دیکھ کر ہم یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔ٹوٹی سڑکیں بہتا پانی اور لکھنؤ کہیں نہیں مسکراؤ تم لکھنؤ آ کر ایسا تو کچھ دکھا نہیں۔

مغرب کے وقت ہمارا گھُمنتو قافلہ جامعہ امام اعظم پہنچ چکا تھا۔اب ذہن میں مفتی فیضان المصطفیٰ قادری دام ظلہ العالی کی گزارش کہ گیسٹ ہاؤس میں سبھی حضرات کو 8 بجے پہنچنا ہے، ذہن میں گردش کر رہا تھی، اس لیے سبھی حضرات نے فوراً غسل کیا اور تیار ہو گئے۔باقی مندوبین بھی لگ بھگ پہنچ چکے تھے لیکن لیکن سلام ومصافحہ سے زیادہ گفتگو کا موقع نہیں تھا۔مفتی صاحب نے دوپہر میں یہ گزارش بھی کی تھی کہ سب کو ایک ساتھ ہی اسٹیج پر چلنا ہے (یعنی وی آئی پی کلچر نہیں ہوگا) نیز سبھی حضرات کو پروگرام کے اخیر تک ہال میں ہی موجود رہنے کی خواہش کا بھی اظہار فرمایا تھا۔جسے سبھی مندوبین نے بخوبی انجام دیا۔مجھے حضرت مفتی صاحب قبلہ کا یہ عمل بہت پسند آیا کہ سب ایک ساتھ اسٹیج پر جائیں اور آخر تک اسٹیج پر رہیں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بڑے پروگراموں میں شعرا یا خطبا کا آنا جانا لگا رہتا جس ماحول بار بار بگڑتا ہے۔چوں کہ پروگرام کی مدت بھی شام 8 بجے سے 10:30 تھی اس لیے بھی آسانیاں رہیں۔لکھنؤ کے بالا گنج کی رفا کالونی میں واقع یہ ادارہ اہل سنّت اور فکر رضا کا ترجمان ہے پانچ سال کی قلیل مدت میں جس طرح اس ادارہ نے ترقیوں کی راہ طے کی ہے اس سے یہی لگتا ہے کہ عن قریب یہ ادارہ لکھنؤ میں اہل سنت کے مدارس میں مرکزی حیثیت حاصل کر لے گا۔الفلاح میرج ہال میں پہنچتے ہی بلا تاخیر تلاوت کلام اللہ سے سیمینار کا آغاز ہوا اور ایک نعت شریف

کے بعد فوراً ہی سیمینار اپنی اڑان پر پہنچ چکا تھا۔

پروگرام اس طرح تھا کہ پہلے پانچ شرکا کے لیے ایک گھنٹہ مختص تھا جنھیں خاص عناوین پر گفتگو کرنا تھی اور بعد والوں کے لیے ایک گھنٹہ تھا جس میں انھیں تاثرات پیش کرنے تھے۔ اس فہرست میں سب سے پہلے مولانا حیدر رضا صاحب کا نمبر تھا، آپ نے اپنے موضوع کے مطابق دس بارہ منٹ گفتگو فرمائی۔ آپ کا موضوع تھا" اسلام وسنیت کی ترویج واشاعت میں میگزین کا کردار" آپ نے بخوبی اس موضوع کا حق ادا کیا۔ دوسرا نمبر فقیر مرکزی کا تھا اور ہمارا موضوع تھا" مسلمانوں کے لیے صحافت کیوں ضروری؟" اس موضوع کے تحت ہم نے حالات حاضرہ میں میڈیا کا مسلمانوں کے متعلق کردار اور سرکار اعلیٰ حضرت کا اخبار و رسائل کے متعلق کیا عمل تھا اسے بتایا۔

وہ رسائل وجرائد جن کی سرکار اعلیٰ حضرت ارضاہ عنا نے اپنی جیب خاص سے مالی اور اپنے قلم سے امداد فرمائی ان کی تعداد یہ ہے (1) ہفت روزہ دبدبہ، سکندری رام پور (۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں جاری ہوا کامیابی کے ساتھ قریب ایک صدی جاری رہا۔ (2) اخبار روز افزوں، بریلی برادر رضا مولانا حسن رضا خاں کی سرپرستی میں جاری ہوا۔) (3) اخبار الاسلام افریقا (۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۸ء میں خلیفۂ رضا مولانا احمد مختار میرٹھی نے جاری کیا، اس میں نومسلم افراد کی تربیت کے لیے بھی کافی مواد شامل ہوتا۔) (4) ہفت روزہ الفقیہ امرت سر (1918 میں خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا محمد شریف کوٹلوی نے جاری فرمایا۔) (5) ہفت روزہ اہل فقہ امرت سر (۱۳۲۴ھ میں جاری ہوا۔

عقائد اہل سنت کی ترجمانی میں پنجاب میں اِس کا اہم رول رہا ہے۔) (6) ماہ نامہ الرضا بریلی (صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کے زیر اہتمام اور مولانا حسنین رضا کی ادارت میں ۱۳۳۸ھ میں جاری ہوا۔ کتب رضا کی سلسلہ وار اشاعت اس کا اہم پہلو ہے۔) (7) ماہ نامہ انجمن نعمانیہ لاہور۔ ان اخبار و رسائل کو زندہ رکھنے کے لیے سرکار اعلیٰ حضرت نے نہ صرف خود ممبر شپ لی بل کہ اپنے اہل خانہ کے بارہ افراد کو تین روپیہ ماہانہ کی ممبر شپ بھی دلائی اور صاف فرما دیا کہ جب تک یہ رسائل وجرائد دین و سنیت کا کام کرتے رہیں گے تب تک ہماری مالی وقلمی امداد جاری رہے گی۔ سرکار اعلیٰ حضرت کا یہ عمل موجودہ وقت میں سنی رسائل کو زندہ رکھنے کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ہم بھی اس طریقے کو اختیار کر کے کئی رسائل زندہ رکھ سکتے ہیں۔

تیسرا نمبر مفکر قوم وملت حضرت علامہ غلام مصطفیٰ نعیمی صاحب قبلہ کا تھا اور آپ کا موضوع تھا" دور حاضر میں صحافت کا فقدان اور اس کے اسباب وتدارک" اس موضوع کے تحت نعیمی صاحب قبلہ نے جامع گفتگو فرمائی۔ آپ نے سنی رسائل کے چند سالوں بعد بند ہونے کے اسباب شمار کرتے ہوئے فرمایا کہ" ہمارے یہاں رسائل اس لیے دم توڑ جاتے ہیں کہ ہم ایک ہی آدمی سے سارے کام لیتے ہیں جیسے تحریریں لکھوانا، پھر ممبر شپ کا انتظام سنبھالنا، پھر ڈاک پوسٹ کا انتظام اور پریس کی ذمہ داری سب ایک ہی شخص کرتا ہے حالاں کہ یہ سب کام مختلف فیلڈ کے ماہرین کے ہیں۔

ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ سوشل میڈیا کے دور میں اگر ہمارے مضامین معیاری نہ ہوں گے تو انھیں کون پڑھے گا؟ " آپ نے یہ بھی فرمایا کہ رسائل جاری ہوں اور جاری رہیں اس کا بہتر حل یہ ہے کہ اردو داں طبقہ خرید کر پڑھے اور ہر کام پروفیشنل طور پر کیا جائے۔ چوتھا نمبر حضرت ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی صاحب قبلہ پروفیسر (پریزیڈینسی یونیورسٹی کلکتہ) کا تھا۔ آپ کا موضوع تھا" طلبہ میں خارجی مطالعہ کا فقدان اور اس کا سد باب" اس موضوع پر آپ نے طلبہ کو نصیحتیں فرمائیں اور خارجی مطالعہ کی اہمیت اور اس کے فوائد پر روشنی ڈالی، آپ نے فرمایا کہ درس نظامی پڑھ کر اسی پر اکتفا نہ کریں بل کہ حالات حاضرہ پر بھی نظر رکھیں، ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انگلش عالمی زبان ہے اس پر بھی توجہ ہو۔ پانچواں نمبر تھا ماہر علم وفن حضرت علامہ مولانا شکیل احمد صاحب قبلہ (پرنسپل جامعۃ الرضا بریلی شریف) کا، آپ کا موضوع تھا " موجودہ دور میں اعلیٰ حضرت کے دس نکاتی پروگرام پر عمل کیوں ضروری؟" اس موضوع پر حضرت نے نہایت دردمندانہ گفتگو فرمائی۔

آپ نے فرمایا کہ سرکار اعلیٰ حضرت کے دس نکاتی پروگرام کو اگر مال دار طبقہ توجہ دے تو ہم بہت بڑے بڑے کام کر سکتے ہیں۔ آپ نے ہر ہر نکتے پر گفتگو فرمائی اور خصوصی طور پر لٹریچر عام کرنے پر زور دیا۔ بعدہ حضرت ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب قبلہ کی ناصحانہ گفتگو ہوئی، آپ نے اعلیٰ حضرت کے خطوط کے متعلق گفتگو فرمائی اور مال دار طبقے سے گزارش کی وہ ان رسائل کو چلانے میں مدد کریں۔ اگر بارہ لوگ ہو جائیں جو ایک ایک ماہ کے رسالے کا خرچ اٹھالیں تو رسالہ بحسن وخوبی چلتا رہے گا۔ آپ کی عرض سن کر چرہ محمد پور سے تشریف لائے مفتی ذیشان احمد مصباحی صاحب قبلہ نے ایک ماہ کے رسالے کا خرچ اٹھانے کا اعلان فرمایا۔

بعدہ داماد قائد ملت حضرت علامہ مولانا عاشق حسین کشمیری صاحب قبلہ نے پرنٹ میڈیا کی اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا کہ سوشل میڈیا پر آپ کچھ بھی لکھیں لیکن لوگ اس کو کاپی کر کے اس میں چند ایسے جملے شامل کر دیتے ہیں جو بندے کی نہ فکر سے میل کھاتے ہیں اور نہ عقیدے سے۔ ہمارے مخالفین ایسا بہت کرتے ہیں اس لیے پرنٹ میڈیا کی ضرورت اس سوشل میڈیائی دور میں بھی اہمیت ہے، یہاں جو لکھا گیا اسے بدلا نہیں جا سکتا اور اصل مخطوطہ ہوتے ہوئے ہمارے علما سے ہمیں کوئی بدظن بھی نہیں کر سکتا۔

بریلی شریف سے ہی میرے مشفق ومہربان، کرم فرما استاذ محترم، استاذ العلما، فخر صحافت حضرت علامہ عبد الرحیم نشتر فاروقی صاحب قبلہ (مدیر ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف) نے بھی شرکت فرمائی۔ حضرت کے علاوہ اور مندوبین نے بھی شرکت فرمائی اور اور اپنے تاثرات کا اظہار کیا، اخیر میں مفتی فیضان المصطفیٰ قادری صاحب قبلہ نے سبھی مندوبین کا شکریہ ادا کیا۔

لکھنؤ کے بالا گنج کی رفا کالونی میں واقع یہ ادارہ اہل سنّت اور فکر رضا کا ترجمان ہے پانچ سال کی قلیل مدت میں جس طرح یہ ادارہ ترقیوں کی راہ طے کر رہا ہے اس سے یہی لگتا ہے کہ عن قریب یہ ادارہ لکھنؤ میں اہل سنت کی مرکزی حیثیت حاصل کر لے گا۔ اس طرح یہ خوب صورت سیمینار سلام رضا کے نغموں کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچا۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس رسالے کو دوام بخشے اور جامعہ امام اعظم ابوحنیفہ کے طلبہ اساتذہ اور معاونین کو سلامت رکھے، آمین ثم آمین۔

□□□

ص ۵۰ رکا بقیہ..........

اک بڑی تعداد میں مجمع اکٹھا ہو گیا
گھر سے جب نکلا جنازہ حجۃ الاسلام کا

رحمت وبرکت کا اس کے گھر میں ہوتا ہے نزول
جس کے گھر ہو روز چرچا حجۃ الاسلام کا

ہے یقیں یہ بخش دے گا اس کو رب ذو الجلال
دل سے شیدا ہے جو بندہ حجۃ الاسلام کا

ناز وہ قسمت پہ اپنی کر رہا ہے آج بھی
مل گیا جس کو حوالہ حجۃ الاسلام کا

ہو ادب تاریخ یا ہو مسند افتا کا کام
سب جگہ چلتا ہے سکہ حجۃ الاسلام کا

نعمت رضوی بھی پڑھنے کو کھڑا ہے منقبت
اس کو بھی مل جائے صدقہ حجۃ الاسلام کا

دوست واحباب کو ترغیب دیں

یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ ہمیں اپنے تأثرات ضرور لکھیں، آپ کے تأثرات ماہنامہ سنی دنیا کے صفحات کی زینت بنیں گے۔

کیا آپ نے اپنے دوست واحباب سے سنی دنیا کے تعلق سے اپنے تأثرات کا اظہار کیا؟ اگر نہیں تو ضرور بتائیں اور انھیں ماہنامہ کا ممبر بننے کی ترغیب بھی دیں، یہ دینی ودنیوی معلومات کا بے مثل خزانہ اور مرکز اہل سنت بریلی شریف کا ترجمان ہے۔

اگر آپ کاروباری ہیں تو رسالہ میں اس کا اشتہار دے کر اپنے کاروبار کو ترقی بھی دے سکتے ہیں۔

सुन्नी दुनिया में इश्तिहार देकर अपने कारोबार और इदारे को फ़रोग़ दें

Monthly Package Four Colour महाना पैकेज फोर कलर

S. No.	Adv. Space	کوارٹر پیج Quarter Page	ہاف پیج Half Page	فل پیج Full Page	اشتہار کی جگہ	نمبر شمار
1	Back Title Page	8000/-	10000/-	15000/-	بیک ٹائل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	6000/-	8000/-	12000/-	فرنٹ ٹائل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	4000/-	6000/-	10000/-	بیک ٹائل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Quarterly Package Four Colour तिमाही पैकेज फोर कलर

1	Back Title Page	20000/-	25000/-	35000/-	بیک ٹائل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	15000/-	20000/-	30000/-	فرنٹ ٹائل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	10000/-	15000/-	25000/-	بیک ٹائل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Half Yearly Package Four Colour छमाही पैकेज फोर कलर

1	Back Title Page	30000/-	40000/-	60000/-	بیک ٹائل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	20000/-	35000/-	50000/-	فرنٹ ٹائل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	15000/-	25000/-	40000/-	بیک ٹائل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Yearly Package Four Colour सालाना पैकेज फोर कलर

1	Back Title Page	50000/-	70000/-	100000/-	بیک ٹائل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	35000/-	60000/-	80000/-	فرنٹ ٹائل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	25000/-	40000/-	60000/-	بیک ٹائل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Black & White Package any in side Magzine ब्लैक एण्ड व्हाईट पैकेज रिसाला में कहीं भी

1	Monthly	1500/-	3000/-	5000/-	ماہانہ	۱
2	Quarterly	4000/-	8000/-	12000/-	سہ ماہی	۲
3	Half Yearly	7000/-	12000/-	16000/-	ششماہی	۳
4	Yearly	10000/-	16000/-	20000/-	سالانہ	۴

नोट:-

1 तीन महीने का मतलब कोई भी तीन महीने, इसी तरह 6 या 12 महीने का मतलब कोई भी 6 या 12 महीने।

2 वक़्त और हालात के पेशे नज़र इश्तिहार की इबाअत मुक़द्दम व मुवख़्ख़र भी हो सकती है।

3 पूरे इश्तिहार की रक़म एक मुश्त पेशगी जमा करनी होगी।

Contact: 82 Saudagaran, Dargah Aalahazrat, Bareilly Sharif (U.P.), Pin - 243003, Mob. 9411090486
Account Details: Asjad Raza Khan, SBI A/c No. 10592358910, IFSC Code: SBIN0000597

RNI No. UPMUL/2017/71926
Postal Regd. No. UP/BR-34/2026-28
OCTOBER-2026
PAGES 60 WITH COVER
PER COPY : ₹ 30.00
PER YEAR : ₹ 350.00

MAHNAMA SUNNI DUNIYA

Printer, Publisher & Owner Asjad Raza Khan, Printed at Faiza Printers, Bara Bazar, Bareilly
Published at 82, Saudagran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Sharif (U.P.) PIN : 243003, Editor Asjad Raza Khan